بزرگانِ خانوادۂ قادریہ بدایوں کے
مختصر حالات طیبات

اکابر بدایوں

تصنیف
مولانا احمد حسین قادری گنوری

ترتیب و تصحیح
مولانا عاصم اقبال قادری مجیدی

سلسلۂ مطبوعات (99)

کتاب: اکابر بدایوں

مؤلف: مولانا احمد حسین قادری گنوری

طبع اول: ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵

طبع جدید: جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ مارچ/۲۰۱۳ء

Publisher

TAJUL FUHOOL ACADEMY

(A Unit of Qadri Majeedi Trust)

Madrsa Alia Qadria, Maulvi Mohalla, Budaun-243601 (U.P.) India

Mob.: +91-9897503199, +91-9358563720

E-Mail: qadrimajeeditrust@gmail.com, Website: www.qadri.in

Distributor	*Distributor*
Maktaba Jaam-e-Noor	**New Khwaja Book Depot.**
422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6	Matia Mahal,
Phone : 011-23281418	Jama Masjid, Delhi-6
09136492496	Mob. : 0091-9313086318

انتساب

قطب زماں، شمس مارہرہ

ابوالفضل آل احمد حضور اچھے میاں مارہروی قدس سرہ

نے ارشاد فرمایا

''بدایوں میری جاگیر ہے جو مجھے بارگاہ غوثیت سے عطا ہوئی ہے''

اکابر بدایوں کے حالات طیبات کا یہ گلدستہ

آپ ہی کے نام منسوب کیا جاتا ہے

☆☆☆

عرض ناشر

تاج الفحول اکیڈمی خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کا ایک ذیلی ادارہ ہے، جو تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف) کی سرپرستی اور صاحبزادہ گرامی مولانا اسیدالحق قادری بدایونی کی نگرانی اور قیادت میں عزم محکم اور عمل پیہم کے ساتھ تحقیق، تصنیف، ترجمہ اور نشر واشاعت کے میدان میں سرگرم عمل ہے۔

اکیڈمی کے مختلف اشاعتی منصوبوں میں ایک منصوبہ یہ بھی تھا کہ اکابر خانوادۂ قادریہ بدایوں شریف کی حیات وخدمات اور ان کی سیرت وسوانح پر لکھی گئی قدیم وجدید کتابوں کو منظر عام پر لایا جائے، بفضلہ تعالیٰ اکیڈمی نے اپنے اس منصوبے کو کسی حد تک عملی جامہ پہنایا ہے، اب تک اس موضوع پر مندرجہ ذیل کتابیں شایع کی جا چکی ہیں:

(۱) طوالع الانوار (تذکرہ فضل رسول): مولانا انوار الحق عثمانی بدایونی — مطبوعہ ۲۰۰۸ء

(۲) تذکار محبوب: مولانا عبدالرحیم قادری بدایونی — مطبوعہ ۲۰۰۷ء

(۳) احوال ومقامات: مولانا ہادی القادری بدایونی — مطبوعہ ۲۰۰۹ء

(۴) تاج الفحول حیات وخدمات: مفتی عبدالحکیم نوری مصباحی — مطبوعہ ۱۹۹۸ء

(۵) مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی: پروفیسر ایوب قادری — مطبوعہ ۲۰۰۷ء

(۴) تذکرۂ خانوادہ قادریہ: مولانا عبدالعلیم قادری مجیدی — مطبوعہ ۲۰۱۲ء

(۵) سیف اللہ المسلول کا علمی مقام: مولانا عبدالعلیم قادری مجیدی — مطبوعہ ۲۰۱۲ء

اسی منصوبے کے تحت اب مولانا احمد حسین قادری گنوری کی کتاب ''اکابر بدایوں'' آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ اس کے بعد اکمل التاریخ اور تحفہ فیض جلد ہی ان شاء اللہ اشاعت پذیر ہونے والی ہیں۔ رب قدیر ومقتدر سے دعا ہے کہ اکیڈمی کی خدمات قبول فرمائے، ہمیں زیادہ سے زیادہ دینی خدمات کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارے اشاعتی منصوبوں کی تکمیل میں آسانیاں پیدا فرمائے۔

محمد عبدالقیوم قادری
جنرل سیکریٹری تاج الفحول اکیڈمی
خادم خانقاہ قادریہ بدایوں

ابتدائیہ

اکابر خانوادۂ قادریہ بدایوں شریف کے حالات طیبات پر مشتمل یہ مختصر کتاب 'اکابر بدایوں' مولانا احمد حسین قادری گنوری نے بعض مخلص وابستگان خانقاہ قادریہ کی فرمائش پر ۱۹۸۵ء میں ترتیب دی تھی۔ جو اکتوبر ۱۹۸۵ء میں ادارہ مظہر حق بدایوں کے زیر اہتمام شائع ہوئی تھی۔

مصنف کتاب مولانا احمد حسین ولد محمد حسین قادری گنوری تحصیل گنور ضلع بدایوں کے رہنے والے تھے، ۷ر اگست ۱۹۲۶ء کو ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم مقامی طور پر حاصل کی، ۱۹۴۰ء میں مولانا ضیاء القادری بدایونی نے مدرسہ قادریہ میں داخلہ کروادیا، یہاں انہوں نے درس نظامی کی تکمیل کی، ساتھ ہی پرائیویٹ طور پر ہائی اسکول، انٹر، بی۔اے (آگرہ یونیورسٹی) اور بی۔ایڈ (علی گڑھ) کے امتحانات بھی پاس کیے۔ ابتدا میں کچھ سال تک مدرسہ قادریہ ہی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ بعد میں اسلامیہ انٹر کالج بدایوں میں استاذ مقرر ہوئے، ۱۹۸۷ء میں کالج کی ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

دوران تعلیم ہی حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی قدس سرہ کے دامن کرم سے وابستہ ہوگئے تھے، اکابر خانقاہ قادریہ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ شعری ذوق بھی تھا، نسیم تخلص اختیار کیا، میری معلومات کی حد تک انہوں نے اپنی شاعری کو صرف نعت ومناقب ہی تک محدود رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے تقریر وخطابت کی بھی صلاحیت عطا فرمائی تھی، عموماً اصلاحی موضوعات پر خطاب کرتے تھے، لب ولہجہ پُرکشش اور زبان عام فہم ہوتی تھی۔ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۹۲ء کو وفات ہوئی، گنور میں اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کیے گئے۔

زیر نظر کتاب مولانا نے خانقاہ قادریہ سے وابستہ مریدین ومعتقدین کی فرمائش پر ترتیب دی تھی، لہٰذا اسی طبقے کو سامنے رکھ کر مواد اور اسلوب کا انتخاب کیا ہے۔ کتاب کی زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے، ساتھ ہی ہر بزرگ کے تذکرے میں اختصار کو ملحوظ رکھا ہے۔

تاج الفحول اکیڈمی اس کتاب کا ہندی ایڈیشن بھی شائع کر چکی ہے، اردو ایڈیشن کتاب

کی اشاعت کے ایک سال کے اندر ہی ختم ہو گیا تھا، اب یہ کتاب بالکل نایاب تھی، لہٰذا بعض احباب کی فرمائش پر کتاب کو نئی کمپوزنگ اور جدید آب و تاب کے ساتھ شایع کیا جا رہا ہے۔

کتاب کی ترتیب جدید اور تصحیح کا کام عزیزم مولانا عاصم اقبال مجیدی نے کیا ہے۔ رب قدیر عزیز موصوف کو دارین کی برکتیں عطا فرمائے۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت صاحب سجادہ کی اجازت سے حضرت تاج الفحول کے تذکرے کے ضمن میں تقریباً ۱۴ سطروں کا ایک اقتباس کتاب سے حذف کیا گیا ہے، بحیثیت ناشر تاج الفحول اکیڈمی کو اس بات کا حق و اختیار ہے کہ وہ کسی بھی ایسی بات کو متن سے حذف کر دے جو اس کے اصول و روایات کے مطابق نہ ہو۔

کتاب کی اشاعت اول کے زمانے میں اس کے بعض مندرجات پر کچھ سطحی قسم کے شبہات سامنے آئے تھے، پہلے ارادہ تھا کہ اشاعت جدید کے مقدمے یا حواشی میں ان کا ازالہ کر دیا جائے، مگر فی الحال مَیں کچھ دوسرے موضوعات پر کام کر رہا ہوں، اس لیے اِس وقت یہ ممکن نہ ہو سکا۔ تاہم مَیں ایک تفصیلی کتاب ترتیب دینے کا ارادہ رکھتا ہوں جس میں خانوادۂ قادریہ کی تاریخ سے متعلق بعض مؤرخین و ناقدین کے شبہات و اعتراضات کا تحقیقی جائزہ لیا جائے، ان شاء اللہ اُس کتاب میں یہ قرض بھی اتار دیا جائے گا۔

رب قدیر و مقتدر تاج الفحول اکیڈمی کی ان دینی خدمات کو شرف قبول عطا فرمائے اور اراکین ادارہ کو دین و سنیت کی مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اسید الحق قادری
خانقاہ قادریہ بدایوں شریف

۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
۲۲/ مارچ ۲۰۱۳ء

☆☆☆

فہرست مشمولات

☆☆☆

تمہید

خاصانِ خدا خدا نباشد لیکن زِ خدا جدا نباشد

چراغ لے کے بھی ڈھونڈو تو مل نہیں سکتیں

وہ ہستیاں جو بدایوں کی سرزمیں میں ہیں

بڑے مبارک ہیں حیاتِ عارضی کے وہ لمحات جو خدا اور خاصانِ خدا کے ذکر و اذکار میں گزر جائیں۔ خاصانِ خدا کا ذکر درحقیقت خدا ہی کا ذکر ہوتا ہے۔ اللہ کے وہی بندے اس کی بارگاہ میں زیادہ محترم ہیں جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہیں، جن نفوس قدسیہ کے وجود کی برکت نے بدایوں کو مدینۃ الاولیا کا شرف و اعزاز بخشا ہے، ان کی فہرست اتنی طویل ہے کہ مَیں اور مجھ جیسے ہزار دو ہزار مل کر بھی ان کی مقدس زندگیوں کو محصور نہیں کر سکتے، نہ ان کی دینی خدمات کو کما حقہ منظر عام پر لا سکتے ہیں، تاہم اب تک بدایوں کے اولیائے کرام کے سلسلے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ناکافی تو ضرور ہے مگر نہ ہونے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ طوالع الانوار، تذکرۃ الاولیا، تذکرۃ الواصلین، تحفہ فیض، اکمل التاریخ، مردانِ خدا وغیرہ اسی قسم کے تاریخی شاہکار ہیں جو بدایوں کی منتخب اور ممتاز ہستیوں کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مَیں نے اولیاء اللہ کی اس طویل و بسیط فہرست میں سے صرف پانچ حضرات کو منتخب کیا ہے جو قادریہ سلسلے سے متعلق ہیں اور جن کی قیادت زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کر رہی ہے۔ ان پانچوں حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) قدوۃ العارفین، زبدۃ الواصلین، افضل الاولیا، افضل العبید عین الحق حضرت مولانا شاہ عبد المجید قادری قدس سرہٗ

(۲) امام وقت، سیف اللہ المسلول، معین الحق مولانا شاہ فضل رسول قادری قدس سرہٗ

(۳) تاج الفحول، مظہر حق مولانا شاہ عبد القادر محبّ رسول قادری فقیر قادری قدس سرہٗ

(۴) قطبِ وقت، استاذ العلما، سرکار صاحب الاقتدار، محبوب حق مولانا شاہ عبد المقتدر مطیع الرسول قادری قدس سرہٗ

(۵)امام العلما،شیخ المشائخ،مفتیٔ اعظم،عاشق رسول اکرم،محبوبِ غوث اعظم،غوثِ وقت حضرت مولانا شاہ عاشق الرسول محمد عبد القدیر قادری قدس سرہٗ

میرے ذاتی جذبے اور میرے برادرانِ طریقت کے بار بار اصرار نے مجھے اُکسایا، بزرگانِ دین کی غیبی تائید نے سہارا دیا اور مَیں نے ان حضرات کی مقدس زندگیوں کے خاکے پیش کرنے کا ارادہ کیا۔رب العزت میری اس سعی کو قبول فرمائے اور مجھ سے کوئی فروگذاشت ایسی نہ ہو جو خاصانِ خدا کی بارگاہ میں معاذ اللہ گستاخی کے مترادف ہو۔

☆☆☆

افضل الاولیا حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید قدس سرہٗ

خاندان: نسباً آپ امیر المؤمنین ذوالنورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہیں۔ ہندوستان میں آپ کے مورثِ اعلیٰ قاضی القضاۃ حضرت دانیال قطری ہیں جو قطب الدین ایبک کی فوج کے ہمراہ ہندوستان کے مختلف مقامات پر ہوتے ہوئے بدایوں تشریف لائے۔ آپ اپنے دور میں علم وفضل، زہد وتقویٰ میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ خواجہ خواجگاں حضرت عثمان ہارونی سے شرف بیعت وخلافت حاصل تھا۔ ان تمام خصوصیات کی وجہ سے حکومت نے آپ کو بدایوں کا قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ جامع مسجد شمسی کی تعمیر کے بعد اس کا انتظام وخطابت آپ ہی کے سپرد رہی۔ یہ دونوں چیزیں سیکڑوں سال آپ کے ہی خاندان میں رہیں۔ خطیب تجمل حسین صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد سرکار صاحب الاقتدار قدس سرہٗ نے خطیب اعظم مولانا عبدالماجد صاحب مرحوم کو خطابت اور انتظام جامع مسجد سپرد فرمایا تھا اور ان کے انتقال کے بعد سوئم کے روز حضرت قبلہ مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب قدس سرہٗ نے جامع مسجد کی خطابت اور انتظام کی ذمہ داری ان کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالحامد کے سپرد کی جو اس کو بہ خوبی انجام دیتے رہے۔ حضرت قاضی دانیال قدس سرہٗ کا مزار حضرت پیر مکہ صاحب کی درگاہ میں موجود ہے۔ آپ کی اولاد میں ہر دور میں نام ور علما ومشائخ ہوتے رہے جن کے تذکرے تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ قاضی رکن الدین، قاضی صاحب بے گواہ، مفتی محمد شفیع جو فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں شریک تھے، مفتی محمد شریف جو مرزا مظہر جانِ جاناں کے پیرومرشد سید نور محمد بدایونی کے استاذ تھے۔ بحر العلوم مولانا محمد علی، قاضی شمس الدین محشی شرح وقایہ، مفتی مرید محمد، مفتی عبدالغنی، مفتی محمد عوض، شاہ محمد سعید خلیفہ حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی، یہ سب کے سب آپ ہی کی اولاد میں اپنے اپنے دور کے مشاہیر گزرے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ

ہندوستان کا وہ واحد خاندان ہے جس میں تقریباً آٹھ سو سال سے مسلسل یکے بعد دیگرے علما و مشائخ ہوتے رہے ہیں تو غلط نہ ہوگا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاء

ولادت: آپ سرمست بادۂ توحید حضرت مولانا شاہ عبدالحمید قادری کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت شریفہ ۲۹ ؍رمضان المبارک ۱۱۷۷ھ میں ہوئی۔ خدا کی شان کے قربان کہ امام الاولیا سیدنا حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ ولادت بھی یہی ہے، دونوں مبارک مہینے بھی متصل ہیں (۲۹؍شعبان المعظم اور ۲۹؍رمضان المبارک)

بہر حال تاریخ ولادت سے اتنا اندازہ تو ضرور ہوتا ہے کہ نومولود صاحبزادے حضور غوثِ پاک کے فیوض و برکات سے قریب ترین ہیں۔ آپ کا تاریخی نام 'ظہور اللہ' تجویز کیا گیا۔ بچپن ہی سے بزرگی کے آثار پیشانیٔ مبارک سے ہویدا تھے۔ بزرگوں کے فیضان تربیت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور زہد و تقویٰ کی ایک جیتی جاگتی تصویر نظروں کے سامنے آگئی۔

رسم تسمیہ خوانی اور ابتدائی تعلیم: خاندانی روایات کے مطابق رسم تسمیہ خوانی ادا کی گئی اور قطب وقت بحر العلوم حضرت مولانا محمد علی نے سلسلہ تعلیم شروع کرایا۔ شفیق ماموں مولانا خطیب محمد عمران اور مشفق پھوپھا مولانا مفتی عبدالغنی ہمہ وقت نظروں کے سامنے رکھتے تھے۔ گیارہ برس کی عمر سے ہی مشفق استاذ نے شب بیداری کا عادی بنا دیا اور نماز تہجد شروع کرا دی اور شب بیداری میں وہ لطف و لذت محسوس ہونے لگا کہ سفر و حضر کسی بھی حالت میں نماز تہجد کبھی فوت نہیں ہوئی۔ آٹھ برس تک ابتدائی تعلیم کے مراحل طے کرنے کے بعد آپ لکھنؤ تشریف لے گئے اور حضرت مولانا ذوالفقار علی ساکن دیوہ شریف سے شرفِ تلمذ حاصل کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں فراغت کی سند شاہی مہر کے ساتھ حاصل کر کے بدایوں واپس تشریف لے آئے۔ تکمیل علوم ظاہری کے بعد اب روحانی تعلیم کی طرف توجہ کی اور رہبر صادق کی تلاش میں سفر کرنا شروع کیے۔ بہت سے مشائخ وقت سے شرف ملاقات حاصل کیا، بہت سی نورانی و عرفانی محفلوں میں شرکت کی مگر کسی جگہ سے تشفی خاطر نہ ہوسکی۔

بیعت مبارکہ: جیسے جیسے وقت گزرتا جارہا تھا طلبِ شیخ صادق کا جذبہ بھی بڑھتا جارہا تھا، بالآخر ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالغنی حضرت سیدنا شاہ حمزہ کے عرس شریف کے موقع پر خود اپنے ساتھ لے کر مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور مفتی صاحب نے خود حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں سے آپ کی جانب توجہ مبذول فرمانے کی درخواست کی مگر کوئی جواب نہ ملا اور آپ بدایوں واپس تشریف لے آئے۔ مفتی صاحب نے بہت سمجھایا بجھایا کہ فی زمانہ حضرت اچھے میاں سے بہتر میری نظر میں کوئی اور بزرگ نہیں ہیں۔ آپ مارہرہ جا کر بیعت کرلیں اور جو کچھ وہاں سے ملے اسی پر قناعت کرلیں مگر آپ نے ایک سرد آہ بھر کر کہا'' مفتی صاحب، وہاں بھی اونچی دکان اور پھیکا پکوان ہے''۔ یہ سن کر مفتی صاحب بھی آزردہ ہوئے۔ مگر خاموش رہے، مکان واپس تشریف لاکر اگلے دن سفر کا مکمل ارادہ فرمالیا۔ شب کو اِدھر آنکھ لگی اُدھر طالع بیدار ہوا، عالم رؤیا میں حضور پُرنور سرورِ عالم ﷺ کی مجلس مبارکہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ دیکھا کہ نورانی تخت پر نور علی نور تشریف فرما ہیں اور صحابۂ کرام اور اولیائے عظام دور تک علی حسب مراتب حلقہ باندھے ہوئے ہیں، انہیں نورانی صفوں میں حضور غوث ِ پاک ،حضرت بابا فرید اور اچھے میاں مارہروی بھی تشریف فرما ہیں، اتنے ہی میں حضورِ اکرم ﷺ نے حضور غوث پاک کی جانب اشارہ فرمایا حضور غوث پاک نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر حضور اچھے میاں کے ہاتھ میں دے دیا۔ صبح اُٹھتے ہی بہ صد ہزار فرحت وانبساط مارہرہ شریف کا قصد فرمایا اور حاضر بارگاہ ہو کر بیعت کا شرف حاصل کیا اور اسی وقت سے رات دن شیخ کی خدمت میں رہنے لگے، بجز کسی خاص مجبوری کے حضور اچھے میاں کی نظر سے اوجھل نہ ہوتے ، ہمہ وقت کی حاضری اور سچے جذبۂ خدمت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

پیر و مرشد کی خاص توجہ اور خدمت شیخ کے جذبۂ صادق نے دیکھتے دیکھتے تمام عرفانی منزلیں طے کرادیں اور کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ پیر و مرشد اکثر فرمایا کرتے تھے ؎

مولوی عبدالمجید بمقام هَـلْ مِـن مَّزِیْد است

و ہیچو او طالب صادق و یار موافق نیست

اورآپ کے نام سے پہلے ’افضل العبید‘ تحریر فرمایا کرتے تھے۔ روحانی مدارج طے کرانے کے بعد خلافت عطا فرمائی گئی اور ’شاہ عین الحق‘ کے خطاب سے سرفراز فرمایا گیا۔ حضرت اقدس جب آپ کا جمال ظاہر اور باطن دیکھا کرتے تھے تو فرطِ مسرت سے فرمایا کرتے تھے کہ ’’فقیر کو چاہیے کہ اس کا ظاہر امام ابوحنیفہ کی طرح ہو اور اس کا باطن حضرت منصور جیسا ہو اور یہ دونوں خوبیاں مولوی عبدالمجید کے علاوہ دوسرے میں مجھے دکھائی نہیں دیتیں‘‘۔ اتباع شریعت ہمہ وقت ملحوظ خاطر رہتی، فرائض و واجبات تو درکنار نوافل و مستحبات بھی کبھی ترک نہ فرماتے تھے۔ یہی وہ امتیازی شان تھی کہ حضرت اقدس اچھے میاں اپنے مخصوص مریدین میں بیٹھ کر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ’’اگر قیامت میں اللہ رب العزت مجھ سے دریافت فرمائے گا کہ ہماری بارگاہ کے لیے کیا تحفہ لائے ہو تو مَیں مولوی عبدالمجید بدایونی کو پیش کر دوں گا‘‘۔ پیر و مرشد کے وصال کے بعد آپ بدایوں تشریف لے آئے، لیکن شیخ کی جدائی کے صدمے میں ہمہ وقت غمگین اور اداس رہتے تھے۔ عرس کے موقع پر مارہرہ شریف تشریف لے جا کر جملہ امور اور انتظامات خود اپنی نظروں کے سامنے کراتے تھے۔ کبھی کبھی کسی دیگر ضرورت کی بنا پر بھی مارہرہ حاضری ہوتی رہتی تھی، لیکن مستقل قیام بدایوں ہی میں رہتا تھا اور مدرسہ عالیہ سے بہت کم باہر تشریف لے جاتے تھے۔

سفر حجاز: جب آپ کی عمر شریف اسی برس کی ہوگئی، نیز قوائے جسمانی بھی کمزور ہو گئے تو حرمین شریفین کی حاضری کا قصد فرمایا۔ اس زمانے کا سفر آج کل کا جیسا سفر نہیں تھا، سفر کی تمام صعوبتوں کو نظر انداز فرماتے ہوئے ۱۲۵۶ھ میں اس مبارک سفر کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ مریدین و متوسلین بھی ساتھ ہو گئے اور تقریباً سو افراد پر مشتمل یہ نورانی قافلہ نورانی سرزمین کی جانب بڑھا۔ جب یہ قافلہ بڑودہ پہنچا تو آپ کے صاحبزادے حضرت سیف اللہ المسلول جو حج سے واپس تشریف لا کر بقصد وطن بمبئی سے روانہ ہو رہے تھے۔ بڑودہ آ کر حاضر خدمت ہوئے اور یہیں سے پھر والد محترم کے ساتھ دوبارہ حج کے لیے روانہ ہو گئے۔ غرض کہ یہ مبارک قافلہ حاضری حرمین شریفین سے فیض یاب ہو کر بدایوں واپس آ گیا۔

مشائخانہ زندگی وخوارقِ عادات: سفر حجاز سے واپسی پر جب آپ نے بدایوں میں مستقل سکونت اختیار کی تو آپ کے زہد وتقویٰ اور فضل وکمال کا شہرہ دور دراز مقامات تک پہنچا۔ جوق در جوق لوگ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور آپ کی خدمت میں رہنے کو سعادتِ دارین سمجھتے۔ بدایوں کا کوئی ایسا معزز گھرانہ نہ تھا جو آپ کے سلسلۂ ارادت میں داخل نہ ہو۔ آپ کی مشائخانہ زندگی پر اگر تفصیلی بحث کی جائے تو ایک مبسوط کتاب تیار ہو جائے مگر اس کتابچے میں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف چند واقعات کو بیان کیا جاتا ہے۔

واقعہ ریتا شاہ کی سلب کرامت: ایک مرتبہ آپ بدایوں سے مارہرہ شریف تشریف لے جا رہے تھے، چند متوسلین بھی ہم رکاب تھے جن میں خادم خاص شیخ غلام غوث مرحوم بھی تھے۔ جب سواری قادر گنج پہنچی تو لوگوں نے حضرت ریتا شاہ میاں کا تذکرہ کیا جو حضرت اچھے میاں کے درویش منش مرید تھے۔ آپ نے فرمایا ''ہم نے سنا ہے کہ وہ خلاف شرع امور میں مشغول رہتے ہیں''۔ موقع پا کر لوگوں نے عرض کی ''حضور وہاں تو ہر وقت فقیروں کا میلہ لگا رہتا ہے اور تاڑی کا دور چلتا ہے''۔ فرمایا ''چلو ہم بھی دیکھیں وہ کیا تماشے دکھاتا رہتا ہے''۔ جب مڑھی کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ تاڑی پینے والے فقیروں کے درمیان ریتا شاہ ساقی بنے بیٹھے ہیں۔ جب ریتا شاہ کی نظر آپ پر پڑی، ایک دم گھبرا گئے۔ حضور نے جب یہ خلاف شرع مشاغل دیکھے تو چہرۂ انور غصے سے سرخ ہو گیا، فرمایا ''میاں ریتا شاہ ان غیر شرعی امور میں مبتلا ہو کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہو؟'' ریتا شاہ نے عالم جذب میں وہی جواب جو دیگر معترضین کو دیا کرتے تھے آپ کو بھی دے دیا ''باوا فقیر دودھ پلا رہا ہے تو بھی چکھ دیکھ''۔ ریتا شاہ کے یہ کہتے ہی تاڑی دودھ کی شکل میں تبدیل ہو جاتی تھی، یہ ان کی مشہور کرامت تھی۔ حضور نے فرمایا ''فقیر ہم کو بھی دھوکا دیتا ہے''۔ یہ فرماتے ہی ریتا شاہ کی کرامت سلب ہو گئی، تاڑی تاڑی ہی رہی دودھ نہ بن سکی، ریتا شاہ کو سخت ندامت ہوئی دوڑ کر قدموں پر سر رکھ دیا اور تائب ہو گئے۔

دوسری کرامت: ایک مرتبہ آپ مارہرہ شریف سے بہ ذریعے بیل گاڑی بدایوں واپس تشریف لا رہے تھے۔ شیخ لعل محمد حجام بدایونی جو حضور اچھے میاں کے مرید خاص تھے پیر ومرشد کی

ہدایت کے مطابق خدمت خاص میں حاضر تھے، جب بیل گاڑی ندرئی پل کے قریب پہنچی تو آپ نے اپنے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا،لعل محمد لوٹا اور رسی لے کر کنوئیں پر آئے، اتفاق سے ڈور ہاتھ سے چھوٹ گئی، لوٹا مع رسی کنوئیں میں گر گیا۔ بے چارے سخت پریشان ہوئے،آپ نے فرمایا''قریب کے گاؤں سے رسی اور کانٹا مانگ لاؤ''۔لعل محمد نے شب کی تاریکی کا عذر پیش کر دیا۔آپ نے فرمایا''دیکھوتمہاری کسوت میں کوئی چیز ایسی ہے جس سے لوٹا نکالا جا سکے؟'' دیکھا ایک سوت کی پندیا اس میں موجود تھی،آپ نے پندیا اپنے دست اقدس میں لے لی اور سڑک پر سے ایک کنکری اٹھا کر اس میں باندھ دی،فرمایا''اسے لے جا کر آہستہ آہستہ کنوئیں میں ڈال کر اپنا کام کرو، جب کنکری پانی تک پہنچ جائے تو آنکھیں بند کر لینا''۔ لعل محمد کہتے ہیں''مَیں نے ایسا ہی کیا اور آنکھیں بند کیے ہوئے ڈورے کوکھینچنا شروع کیا، یہاں تک کہ لوٹا پانی سے بھرا ہوا مع رسی کے میرے ہاتھ میں آ گیا۔مَیں نے قدرت الٰہی کا یہ تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھا اور لوٹا لے جا کر پیش کر دیا''۔آپ نے وضو کیا پھر فرمایا''لعل محمد! یہ اللہ کا بھید تھا، ہماری زندگی میں ہرگز یہ بات کسی سے نہ کہنا''۔لعل محمد اپنے قول کے پکے تھے، جب حضرت اقدس کا وصال ہو گیا تو اس واقعے کو لوگوں سے بیان کیا۔

تیسری کرامت: ایک مرتبہ آپ مدرسہ قادریہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک صاحب وضع قطع سے نہایت شریف معلوم ہوتے تھے آئے اور بے ساختہ قدموں سے لپٹ کر رونے لگے،آپ نے ان کی دل جوئی فرمائی اور ہاتھ پکڑے ہوئے صحن مدرسہ میں آئے اور تھوڑی سی گھاس اکھاڑ کر انہیں دیتے ہوئے ارشاد فرمایا''اسے تانبے کے ساتھ ملا کر تاؤ دے لینا اور سونا بنا لینا''۔وہ صاحب فوراً گھر آئے اور جلدی جلدی گھر کے برتن اکٹھے کر کے سونے کے بنا لیے۔ان کا تمام قرضہ بھی ادا ہو گیا اور مفلسی کے عذاب سے بھی نجات مل گئی۔دراصل گھاس میں تو سونا بنانے کی صلاحیت نہ تھی لیکن اللہ رب العزت نے ان ہاتھوں میں سب کچھ دے رکھا تھا جو بہ ظاہر خالی نظر آتے۔

دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

اسی قسم کے بہت سے واقعات کتب سیر میں ملتے ہیں جن سے کرامتوں کا ظہور ہوتا ہے اگر ان تمام کرامتوں ہی کو یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہوسکتی ہے مگر یہ چھوٹا سا کتابچہ کسی طرح ان کا متحمل نہیں ہوسکتا، اسی لیے نہایت اختصار سے کام لینا پڑا ہے۔ آپ کے شب و روز کے مشاغل میں عبادت الٰہی کا مخصوص مقام تھا۔ دین کی خدمت کے لیے ہمہ وقت کمر بستہ رہتے تھے۔ مسند درس پر بھی جلوہ افروز ہوتے تھے، تصنیف و تالیف کے کام سے بھی گونہ دلچسپی تھی۔ 'مواہب المنان' فارسی کی ایک جامع کتاب ہے جو حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے ملفوظات شریفہ کی شرح ہے جس میں تصوف کے رموز و اسرار بیان فرمائے گئے ہیں اور یہ کتاب باشارۂ حضور اچھے میاں مارہروی لکھی گئی تھی۔ 'محافل انوار شریف' جس میں حضور اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ سے لے کر وصال مبارک تک کے واقعات بارہ محفلوں میں منقسم ہیں جو یکم ربیع الاول سے بارہ ربیع الاول تک بعد نماز عصر آج بھی مدرسہ قادریہ میں پڑھے جاتے ہیں۔ اس حقیر کو بھی اکثر و بیشتر ان محافل جلیلہ کے پڑھنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ علاوہ ازیں متعدد رسالے بھی آپ کی تصانیف میں شامل ہیں۔ ایک رسالہ فارسی میں 'کتاب الصلوٰۃ' ہے۔ ایک اور رسالہ 'ہدایت الاسلام' کے نام سے فارسی میں موجود ہے جو تقویت الایمان مصنفہ مولوی اسماعیل دہلوی کے رد میں لکھا گیا ہے۔ رد روافض میں بھی حضرت نے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔

وصال مبارک: جب آپ کی عمر شریف پچاسی برس کی تھی تو ماہ محرم میں چند دن علیل رہ کر ۱۷ رمحرم الحرام بروز سہ شنبہ بہ وقت فجر ۱۲۶۳ھ میں سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ وقت رحلت مدینۃ الاولیا کچھ دیر کے لیے تیرہ و تار نظر آتا تھا اور سارا شہر ماتم کدہ بن گیا اور آناً فاناً یہ خبر نہ صرف شہر بلکہ بیرون شہر بھی پھیل گئی۔ جنازہ مبارکہ ہزارہا عاشقوں کے جھرمٹ میں عیدگاہ شمسی لے جایا گیا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت سیف اللہ المسلول مولانا شاہ معین الحق فضل رسول قدس سرہٗ نے نماز جنازہ پڑھائی اور درگاہ قادریہ میں جوار رحمت باری میں سپرد خاک فرما دیے گئے۔ مزار اقدس پر 'مدفن خاتم اولیا' (۱۲۶۳ھ) کندہ ہے۔ ۱۶ر۱۷ رمحرم الحرام کو ہر

سال عرس مبارک ہوتا ہے۔ متعدد کلام پاک ختم ہوتے ہیں، علاوہ ازیں ہر جمعہ کو بعد نمازِ فجر ختم کلام پاک ہوتا ہے اور الحمدللہ یہ معمول آج تک جاری ہے۔

خلفائے مجاز: پہلے خلیفۂ اعظم آپ کے صاحبزادے حضور سیف اللہ المسلول ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ نے اپنے دونوں صاحبزادوں سید شاہ ظہور الحسن عرف بڑے میاں (والد ماجد شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں) اور سید شاہ ظہور الحسین عرف چھٹو میاں (والد ماجد حضرت مہدی میاں) کو خود خلافت عطا کرنے کے بعد یہ کہہ کر حضرت شاہ عین الحق قدس سرہٗ سے خلافت دلوائی کہ ''میاں حضور اچھے صاحب نے اپنا خزانہ مولوی صاحب کے سپرد کر دیا ہے، ان سے اپنا حصہ لے لو''۔

اس کے علاوہ حضرت شاہ شرف الدین شہید جیلانی دہلوی جو حضور غوث پاک کی اولاد میں تھے حضور غوث پاک کے اشارۂ باطنی کے مطابق آپ سے بیعت ہوئے اور شرف خلافت حاصل کیا۔ آپ کا مزار مبارک دہلی میں گلی شاہ تارا کی مسجد میں ہے۔

تلامذۂ مخصوص: حضور کے مخصوص تلامذہ میں حضرت شاہ سید آل رسول قدس سرہٗ کا نامِ نامی سر فہرست ہے۔ علاوہ ازیں سید شاہ غلام محی الدین مارہروی، مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی، مولانا نور الدین شاہ جہان پوری وغیرہ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

☆☆☆

سیف اللہ المسلول حضرت مولانا شاہ فضل رسول معین الحق قدس سرہٗ

ولادت مبارکہ: صفر کے مبارک مہینے میں ۱۲۱۳ھ میں بہ مقام مدینۃ الاولیا بدایوں پیدا ہوئے۔ حضور اچھے میاں رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ہی حضرت شاہ عین الحق کو صاحبزادے کی تشریف آوری کی بشارت دے دی تھی اور حضور ہی نے اس پیکر فضل وکمال کا نام 'فضل رسول' تجویز کیا۔ وہ بچہ جس پر قطبِ وقت حضرت اچھے میاں کی نظر شفقت ہو، جس کے والد محترم ولی الاولیا اور والدۂ محترمہ خود رابعہ عصر ہوں اس کا مستقبل اور روحانی مدارج خود بخود درخشاں ہو جاتے ہیں۔ بچپن ہی سے بزرگی کے آثار چہرۂ انور سے ظاہر تھے۔ چار برس کی عمر میں دادا صاحب (حضرت مولانا شاہ عبدالحمید قدس سرہٗ) نے خود ہی پوتے کو بسم اللہ شروع کرائی اور تعلیم وتربیت کی طرف پوری توجہ دی۔ دادا کی ظاہری تربیت پر تاجدار مارہرہ کی باطنی توجہ نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ گیارہ برس تک دادا کی آغوش محبت میں رہ کر تعلیم حاصل کی۔ بارہویں سال گرہ ہوتے ہی مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے ولولے دل میں چٹکیاں لینے لگے۔

تعلیمی سفر: علم حاصل کرنے کے شوق کا یہ عالم کہ گھر والوں سے بھی اپنے ارادے کو پوشیدہ رکھا اور پیادہ پا شاہ جہان پور ہوتے ہوئے لکھنؤ جانے کا قصد کر کے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ جب آپ محلّہ شہباز پور بدایوں سے گزر رہے تھے تو شیخ نظام الدین رئیس محلّہ کی نظر آپ پر پڑی، دوڑتے ہوئے آئے اور دریافت کیا ''میاں صاحبزادے کہاں کا ارادہ ہے؟'' پڑھنے کے لیے لکھنؤ جا رہے ہیں۔ اللہ اللہ یہ کم سنی کا عالم اور جذبہ تحصیل علم۔ شیخ صاحب حیران رہ گئے۔ ہر چند روکنے کی کوشش کی مگر بے کار ثابت ہوئی، کہنے لگے ''صاحبزادے اتنا طول طویل سفر، نہ کوئی ہم سفر نہ کچھ زادِ راہ'' فرمایا:

خدا خود میر سامان است ارباب توکل را

شیخ صاحب نے بڑے اصرار کے ساتھ دو روپے نذر کیے اور کہا ''حضور آپ کے والد کا کفش بردار ہوں، اس حقیر نذرانے کو قبول فرما لیجیے''۔ آپ نے نذرانہ قبول فرمایا اور تیزی سے آگے بڑھے، آگے چل کر سڑک کے موڑ پر شاہ عبدالحق صاحب سے ملاقات ہوئی جو حضور اچھے میاں سے بیعت تھے اور انہیں کے حکم کے مطابق آپ کے والد محترم حضرت شاہ عین الحق کی خدمت میں رہا کرتے تھے، آپ کو تنہا دیکھ کر وہ بھی ساتھ ہو لیے۔

توکل علی اللہ کا ثمرہ: طویل مسافت، پیادہ پا سفر، نہ زادِراہ، نہ سروسامان، دو مسافر اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہوئے مصروف سفر نظر آتے ہیں۔ سفر کے پہلے ہی دن جب آفتاب غروب ہوا اور اس دن کے سفر کی منزل پوری ہوئی تو جنگل میں دور تک آبادی کا نشان نظر نہ آتا تھا۔ مجبوراً لب سڑک ایک مقبرے میں رات گزارنے کا قصد کیا۔ شاہ صاحب کو شہزادۂ عالی وقار کی کم سنی، سفر کی صعوبت اور بھوک پیاس کی شدت کا بے حد احساس تھا، مگر جائیں تو کہاں اور کریں تو کیا کریں۔ شاہ صاحب کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا، اسی پیچ وتاب کے عالم میں عشا کا وقت آ گیا۔ شاہ صاحب کو اس درجہ متردد اور ملول دیکھ کر فرمایا'' شاہ صاحب دورانِ سفر اس قسم کے حالات تو آتے ہی ہیں۔ خدا پر کامل بھروسہ رکھیے، وہ بڑا مسبب الاسباب ہے دیکھیے پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟'' یہ بات چیت چل ہی رہی تھی کہ سڑک پر سے کسی سواری کے چلنے کی آواز آئی، شاہ صاحب نے مقبرے سے نکل کر دیکھا تو ایک رتھ مقبرے کے سامنے سڑک پر کھڑا ہوا تھا، اس میں ایک بزرگ رتھ کے اندر بیٹھے تھے، انہوں نے رتھ بان کو حکم دیا کہ یہ خوان مقبرے کے اندر پہنچا دو۔ خادم کے حسب الحکم خوان مقبرے کے اندر پہنچا دیا اور رتھ جدھر سے آیا تھا تیزی سے اسی طرف کو واپس چلا گیا۔ خوان کھول کر دیکھا تو نہایت عمدہ، تازہ اور گرم حلوہ اور ایک صراحی ٹھنڈے پانی کی اس میں رکھی تھی۔ شاہ صاحب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے اور دونوں نے اس عطیۂ الٰہی کو من وسلویٰ سمجھ کر خوب سیر ہو کر کھایا۔ رات اسی مقبرے میں گزاری۔ اگلے دن پھر سفر شروع کیا، دوپہر تک قدرے اطمنان کے ساتھ سفر کیا، لیکن جب آفتاب کی تمازت اور لُو کے تھپیڑوں نے جان پر بنا دی تو کسی جگہ پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ شاہ صاحب جانتے تھے کہ راستے میں نہ تو

کوئی آبادی ہے نہ سایہ دار درخت، مگر خدا کی شان کہ چند لمحوں کے بعد ہی ایک شاندار باغ لب سڑک دکھائی دیا، شاہ صاحب سمجھے کہ وہ راستہ بھول گئے کیوں کہ راستے میں باغ تو پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ بالآخر دونوں مسافر باغ میں داخل ہوئے، حوض پر جا کر وضو کیا اور شکر کے سجدے ادا کرنے کے بعد گنجان درختوں کے گھنے سائے میں لیٹ کر سو گئے۔ جب بے دار ہوئے، پھلوں سے درختوں کو لدا ہوا دیکھا، غیبی آواز نے مطلع کر دیا کہ عطائے الٰہی کا دوسرا نمونہ ہے۔ باغ کے تازہ پھل کھا کر اگلی منزلیں طے کرنے کے لیے قدم بڑھائے۔ غرض کہ دورانِ سفر ہر روز اسی طرح عطائے ربانی کے کرشمے نظر آتے رہے اور دونوں مسافر بہ عافیت تمام آغوش رحمت باری میں لکھنؤ پہنچ گئے۔ حوالی لکھنؤ میں شب گزارنے کے بعد علی الصبح سلطان العلما حضرت مولانا نور الحق صاحب کی درس گاہ میں حاضر ہوئے۔ مدرسے میں پہنچ کر اندازہ ہوا کہ مولانا خود کسی کی آمد کے انتظار میں چشم براہ کیے بیٹھے ہیں۔ آپ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی دوڑ کر آئے، پیشانی پر بوسہ دیا اور انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا، آناً فاناً میں سارے لکھنؤ میں یہ خبر بجلی کی مانند پھیل گئی کہ حضرت شاہ عین الحق کے صاحبزادے بارہ برس کی عمر میں پیادہ پا بدایوں سے لکھنؤ تحصیل علم کے لیے تشریف لائے ہیں۔ اب کیا تھا زائرین کا تانتا بندھ گیا جو کوئی آتا فرطِ محبت سے گلے لگاتا اور پیشانی مبارک پر بوسہ دیتا ہر شخص عش عش کر رہا تھا کہ جب اس کم سنی کے عالم میں طلب علم کے جذبے کا یہ عالم ہے تو یہ صاحبزادے آگے چل کر نا معلوم کن مدارج پر فائز ہوں گے۔

دورِ تعلیم: آپ نے تین برس تک فرنگی محل میں تعلیم حاصل کی اور جملہ علوم معقول و منقول میں مہارت حاصل کی جو نئے طلبا حلقۂ درس میں شامل ہوتے، آپ کے حوالے کر دیے جاتے۔ حافظے کا یہ عالم تھا کہ جو بات ایک بار استاذ سے سن لیتے اسے کبھی بھولتے نہ تھے۔ غرض کہ پندرہ برس کی عمر میں درسیات کی اعلیٰ منزلوں پر پہنچ گئے۔ جب حضرت شاہ احمد عبدالحق ردولوی صاحبِ توشہ کے عرس کا زمانہ آیا تو استاذِ محترم اپنے ساتھ حضرت کو ردولی شریف لے گئے۔ یہ عرس کیا تھا مرکزِ انوارِ الٰہی تھا۔ ایک سے ایک جید عالم، فقیہ، صوفی، قطب، غوث سبھی خاصانِ الٰہی کا اژدہام ہوتا تھا۔ قل کے دن مزار شریف کے سامنے ایک محفل ترتیب دی گئی جس میں تمام اکابر وقت،

علمائے عصر اور مشائخ روزگار شامل تھے۔ جب اس نورانی محفل کا گوشہ گوشہ پُر نور ہو گیا تو سلطان العلما کھڑے ہوئے اور شاگرد رشید کو اپنے برابر کھڑا کیا، مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا ''آج کی اس محفل کی غرض و غایت ان صاحبزادے کا امتحان لینا ہے جو بزرگ چاہیں بلا تکلف امتحان لے سکتے ہیں''۔ بعض حضرات نے اشارتاً بعض نے امتحاناً سوالات کیے، آپ نے اتنے واضح اور شافی جوابات دیے کہ محفل کے گوشے گوشے سے احسنت و مرحبا کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ اسی نورانی محفل میں آپ کی دستار بندی ہوئی اور اکابر علما کے دستخطوں سے مزین کر کے سند فارغ التحصیل آپ کو مرحمت فرمائی گئی۔ ردولی سے لکھنؤ واپس تشریف لائے اور پھر بدایوں تشریف لائے۔ جدامجد کی قدم بوسی کی اور تین سال کی محنت کا ثمرہ ان کے سامنے پیش کر دیا۔

تحصیل علم طب: علم دین کی تکمیل کے بعد جب حضور اچھے میاں اور والد محترم کی قدم بوسی کے لیے مارہرہ حاضر ہوئے تو حضور اچھے صاحب نے حصول علم طب کا حکم دیا۔ اس زمانے میں امام الاطبا حکیم سید ببر علی خاں موہانی کا بڑا شہرہ تھا، چناں چہ دھول پور پہنچ کر حکیم صاحب موصوف سے کتب طب کا آغاز کیا۔ ایک دن سبق میں تشخیص نبض کی بحث آ گئی، حکیم صاحب نے فرمایا ''نبض کی صحیح شناخت وہی کر سکتا ہے جس کی انگلیاں ستار کے پردوں کی شناخت رکھتی ہوں''۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے آپ نے گوالیار کا سفر کیا اور راجہ کے ایک مخصوص فن کار ستار نواز سے یہ فن سیکھا اور موسیقی راگ سمجھ میں آ گئے تو دھول پور مراجعت فرمائی، حکیم سید ببر علی پہلے تو طویل غیر حاضری کی بنا پر ناراض ہوئے، مگر بعد کو جب معقول وجہ سنی تو خوش ہوئے۔ پھر طب کے اسباق شروع کیے اور دو سال کی محنت شاقہ میں مکمل طور پر علم طب پر حاوی ہو گئے۔ اسی زمانے میں حضور اچھے صاحب نے شاہ عین الحق سے فرمایا کہ ''نور چشم فضل رسول کو بلا لو، وہ طبیب حاذق ہو گئے ہیں'' چناں چہ آپ واپس آ گئے۔ شمس مارہرہ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ان الفاظ کا یہ اثر تھا کہ جس مریض پر ہاتھ رکھ دیا شفا پا گیا، جس کو اپنے دست اقدس سے خاک اٹھا کر دے دی اکسیر بن گئی۔

شرف بیعت: تحصیل علم کے بعد کچھ عرصے آپ صدر الصدور کے عہدے پر رہے مگر جلد ہی

طبیعت دنیا سے ہٹ کر فقر کی طرف مائل ہوئی۔ آپ ملازمت چھوڑ کر حضرت شاہ عین الحق قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اس وقت حضور اچھے صاحب کے وصال کے بعد بدایوں تشریف لا چکے تھے، قدموں میں گر گئے اور دست بستہ غلامی میں داخل کر لینے کی التجا کی۔ شاہ عین الحق نے فرمایا ''تم ابھی صدر الصدوری کے عہدے پر رہے ہو، نفس کو مارنے کے لیے پہلے وہیں جا کر جہاں تم صدر الصدور تھے مزدوری کرو پھر آنا''۔ فرمان عالیشان کے مطابق آپ نے عمل کیا۔ کچھ عرصے بعد شاہ عین الحق قدس سرہٗ نے بلا کر بیعت سے مشرف فرمایا اور وظائف تلقین کیے۔ آپ پیر و مرشد سے اجازت لے کر بدایوں سے روانہ ہو گئے اور آبادی سے دور جنگلوں میں عبادت الٰہی، مجاہدات و ریاضات میں مشغول ہو گئے۔ کہاں رہے، کیا کرتے رہے کسی کو کچھ نہیں معلوم البتہ اس بات سے آپ کے مجاہدات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس دوران حضرت شاہ عین الحق نے پلنگ اور بستر ترک فرما دیا تھا اور زمین پر چٹائی پر استراحت فرماتے تھے۔ خدام کے عرض کرنے پر آپ نے فرمایا کہ ''فضل رسول تو کانٹوں میں زندگی گزار رہا ہے، مجھے بستر پر لیٹنا اچھا نہیں لگتا''۔ ایسا ہی واقعہ حج کے موقع پر بھی ہوا۔ جب ان مرحلوں سے کامیابی سے گزرنے کے بعد آپ پیر مرشد کی بارگاہ میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے تو سینے سے لگا لیا اور خلافت عامہ عطا فرمائی۔

سلسلہ درس و تدریس: شرف خلافت حاصل ہونے کے بعد آپ نے بدایوں میں اپنے قدیمی مدرسے میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ علمی گھرانوں میں تحصیل علم کا ذوق و شوق بڑھنے لگا۔ دور دراز سے شائقین علم جوق در جوق آنا شروع ہوئے۔ ابھی حلقۂ درس ابتدائی مراحل سے گزر رہا تھا کہ آپ کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں نے دنیائے علم و ادب میں دھوم مچا دی اور اس کثرت سے بیرونی طلبا طلب علم کی خاطر آئے کہ شہر کی تمام مساجد طلبا سے معمور ہو گئیں۔ آپ کا برتاؤ اپنے طلبا کے ساتھ بڑا مشفقانہ تھا کہ طالب علم کی ذرا سی پریشانی آپ کے لیے سوہان روح بن جاتی تھی۔ اسی دوران جب حرمین شریفین کی حاضری کا شرف حاصل ہوا تو مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے جید علما سے اسانید حاصل کیں اور وطن واپس لوٹ کر پھر مسند درس و تدریس پر جلوہ فرما

ہوئے۔ آپ کے علمی کمالات کے دھارے پورے ملک کے طول وعرض میں بہنے لگے اور ہندوستان کے گوشے گوشے سے شائقینِ علم بدایوں آتے رہے اور بڑے بڑے جید علما جن کی ضیا باریاں ہمیشہ تاریکیوں کے پردے چاک کرتی رہیں گی آپ کے مدرسے سے فارغ التحصیل ہوکر نکلے۔ آپ کے تلامذہ میں مفتی اسداللہ خاں الہ آبادی، مفتی عنایت رسول چریا کوٹی، مولوی سید عبدالفتاح گلشن آبادی، مولوی خرم علی بلہوری، مولانا سخاوت علی جونپوری، حضرت سید شاہ محمد صادق میاں برکاتی مارہروی وغیرہ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت اقدس کی شمع علم نے ہند و بیرون میں لاکھوں علم کی شمعیں روشن کردیں جن کے اجالے رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔

طبی مشاغل: مدرسے کے اخراجات اور طلبا کی ضروریات کی تکمیل کے لیے آپ نے طب کا سہارا لیا کیوں کہ مدرسے کے اخراجات دن بہ دن بڑھتے جارہے تھے، مستقل امداد کہیں سے نہیں ملتی تھی چناں چہ سب سے پہلے گوالیار جانے کا قصد فرمایا کیوں کہ اس علاقے میں پہلے سے آپ کی طبی شہرت عام ہوچکی تھی۔ دوران سفر متھرا پہنچے اور شب کو ایک سرائے میں قیام فرمایا، بعد نماز عشا جب مسجد سے سرائے میں تشریف لائے تو برابر کی کوٹھری سے کسی مریض کی مضطربانہ چیخوں کی آواز سنائی دی، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کوئی مسافر شدتِ درد سے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا ہے، آپ اس کی کوٹھری میں تشریف لے گئے۔ حالت ملاحظہ فرمائی، علاج کیا، دست شفا نے اثر دکھایا، چند لمحوں میں مریض کا درد جاتا رہا اور چین سے سویا۔ بعد نماز فجر جب حضرت مسجد سے واپس تشریف لائے تو یہی مسافر جو رات درد سے چیخ رہا تھا آ کر قدموں سے لپٹ گیا اور عرض کیا کہ ”حضور مَیں وہی مریض ہوں جس کو آپ کے دستِ شفا نے چند لمحوں میں صحت یاب کردیا، مَیں بنارس کے راجہ کا سفیر ہوں اور اس کام پر معمور کیا گیا ہوں کہ کسی طبیب حاذق کو تلاش کر کے راجہ کی لڑکی کے علاج کے لیے اپنے ساتھ لے جاؤں، زہے میرے نصیب کہ آپ کی زیارت ہوگئی حضور میرے ہمراہ بنارس تشریف لے چلیں“۔ یہ کہہ کر مہاراجہ بنارس کا عطا کردہ خلعت حضرت کو پیش کردیا جو بطور شناخت سفیر کو دیا گیا تھا۔ حضور نے اس کی دعوت قبول فرمائی

اور بنارس کا قصد کیا۔ دورانِ سفر سفیر سے مریضہ کے حالات معلوم کیے، بنارس پہنچ کر معلوم ہوا کہ بہت سے معالج اور ڈاکٹر وہاں موجود ہیں، مگر ہر شخص لڑکی کی زندگی سے مایوس ہو چکا ہے۔ آپ نے بھی لڑکی کو دیکھنے کا ارادہ فرمایا، لڑکی کی غمزدہ ماں لڑکی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ نبض پر ہاتھ رکھا مرض کی نوعیت کو سمجھا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ مرض اپنی آخری منزل پر پہنچ چکا ہے، دوا اثر پذیر نہ ہوگی، علاج کرنا فضول ہے۔ آپ اپنی قیام گاہ پر واپس تشریف لائے اور راجہ کے سفیر کو چٹکی بھر خاک پڑیا میں باندھ کر دے دی اور بارگاہ رب العزت میں سر نیاز جھکا دیا۔ پڑیا کو پانی میں گھول کر دیا گیا، لڑکی کو فوراً اُلٹی ہوئی، مریضہ کو ہوش آیا اور آنکھیں کھول دیں۔ راجہ کے ہرکاروں نے فوراً حضور کو خبر دی کہ لڑکی روبصحت ہے۔ آپ دوبارہ تشریف لے گئے اور ادویات کے ذریعے باقاعدہ علاج شروع کر دیا۔ ایک ہفتے میں مریضہ مکمل طور پر صحت یاب ہوگئی۔ تمام ریاست میں آپ کی مسیحائی کی دھوم مچ گئی۔ والیِ ریاست نے آپ کی خاطر ومدارات میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہیں رکھا اور چلتے وقت راجہ سے علاوہ سفر کے اخراجات کے ساڑھے تین سو روپے ماہوار آپ کے ضروری اخراجات کے لیے مقرر کر دیے۔ بعد ازاں پھر وہی درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ طبیب کی حیثیت سے پھر کوئی علاج نہ کیا۔ اب جو علاج ہوتے تھے وہ صرف درویشانہ رنگ میں ہوتے تھے، جو چیز ہاتھ میں آ گئی وہی مریض کو دے دی اور اللہ جل شانہ نے اس سے مریض کو صحت عطا فرما دی۔

درگاہِ مجیدیہ کی تعمیر جاری تھی، آپ کا زیادہ تر وقت وہیں گزرتا تھا مگر مریضوں کا وہاں بھی تانتا لگا رہتا تھا۔ کسی کو چونا، کسی کو اینٹ کی کترن، کسی کو مٹی جو ہاتھ آ جاتا وہی عطا فرما دیتے اور اللہ تعالیٰ اسی سے مریض کو صحت عطا فرما دیتا۔ ایک بار حکیم سراج الحق صاحب نے جو وہیں آپ کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کرتے تھے طب میں بھی ماہر تھے، اسی طرح ایک مریض کو جس کے پیٹ میں شدید درد تھا، چونے کا ٹکڑا اٹھا کر دے دیا، مریض کی حالت اور زیادہ خراب ہوگئی، رات گزارنا مشکل ہوگیا، علی الصبح حضور اقدس سے حکیم سراج صاحب کا نسخہ بیان کیا، آپ نے فرمایا'' حکیم صاحب آپ اپنے کتابی نسخے مریضوں کو لکھا کریں، مَیں آپ کی کتابوں کا پابند نہیں ہوں''۔

انوکھے علاج: بلند شہر کے ایک معزز اور معتبر شخص کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بلند شہر میں ہیضے کا مرض پھیلا۔ آپ دہلی تشریف لیے جارہے تھے، دورانِ سفر دو چار روز بلند شہر میں قیام کیا۔ آپ کی آمد کی خبر پاتے ہی لوگ دعا دوا کے لیے چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے۔ آپ نے جنگل میں جا کر ایک درخت کے پتوں کو استعمال کرنے کا حکم دیا اور ہزاروں مریضوں کو اس مہلک مرض سے نجات ملی۔

دوسرا علاج: ایک مرتبہ آپ مع خدام تشریف لیے جارہے تھے ایک شفاخانے کے سامنے سے گزرے جہاں لوگوں کا جم غفیر تھا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک شخص کی ران میں درد ہے، کسی علاج سے کوئی فائدہ نہیں۔ آج ڈاکٹروں کے باہمی مشورے سے یہ طے پایا ہے کہ مریض کی ٹانگ کاٹی جائے، اسی لیے لوگ جمع ہیں۔ آپ نے مریض کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، آپ خود بھی اس کی حالت دیکھ کر بے چین ہوگئے اور ڈاکٹروں سے فرمایا'' آپ اس غریب کی زندگی سے کیوں کھیل رہے ہیں؟'' ڈاکٹروں نے کہا'' بغیر ٹانگ کاٹے ہوئے اس درد کا علاج ناممکن ہے''۔ آپ نے فرمایا'' ان شاء اللہ بغیر ٹانگ کاٹے ہوئے ہی درد جاتا رہے گا''۔ ڈاکٹر یہ سن کر حیران رہ گئے۔ آپ نے درد کے مقام پر انگلی رکھ کر ڈاکٹروں سے فرمایا'' آپ اس جگہ ہڈی میں ذرا سا سوراخ کردیں''۔ خود شفاخانے کے احاطے سے کچھ گھاس اکھاڑی اور دبا کر اس کا عرق نکالا ڈاکٹروں سے کہا'' اس عرق کو سوراخ کے اندر پہنچا دو''۔ عرق اندر پہنچنے کے دو منٹ کے بعد ہی اس سوراخ سے بھنگے نکلنا شروع ہوئے اور ذرا سی دیر میں سیکڑوں بھنگے باہر آ گئے۔ تمام ڈاکٹر انگشت بدنداں تھے اور حیرت واستعجاب میں غوطہ زن تھے۔ جب بھنگوں کا نکلنا بند ہوگیا تو ایک دوسری گھاس کے چند قطرے آپ نے اس میں ڈلوائے، مریض کو سکون ملا اور سو گیا اور چند دن بعد مکمل طور پر صحت یاب ہوگیا۔

تیسرا علاج: ایک مرتبہ بدایوں کے ایک معزز رئیس نصرت خاں مدرسے میں حاضر ہوئے۔ ان کی اہلیہ سخت بیمار تھیں، اطبا جواب دے چکے تھے، معالج ناکام ہو چکے تھے اور خاں صاحب بھی اپنی اہلیہ کی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ حاضر ہوتے ہی قدموں سے لپٹ کر زار و قطار رونا

شروع کیا۔ حضرت فوراً خاں صاحب کے ساتھ ان کے مکان پر پہنچے۔ اندر سے عورتوں کے رونے پیٹنے کی آوازیں آ رہی تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ مریضہ کا کام تمام ہو چکا ہے۔ قریب تھا کہ خاں صاحب بھی بے ہوش ہو کر گر پڑیں، مگر حضرت نے تسکین فرمائی اور ارشاد فرمایا ''مجھے مریضہ کو دکھا تو دو، ہوسکتا ہے کہ سکتے کا عالم ہو''۔ خاں صاحب نے پردہ کرایا، عورتوں نے شور مچایا کہ مردہ عورت کو کیوں طبیب کو دکھاتے ہو؟ حضرت اندر تشریف لے گئے، مریضہ کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ فرمایا'' خاں صاحب یہ تو بفضلہٖ زندہ ہے اور ان شاء اللہ تھوڑی دیر بعد اسے ہوش آ جائے گا''۔ یہ کہہ کر آپ باہر تشریف لائے۔ چند ریزے منگائے فرمایا'' انہیں پانی میں جوش دے کر مریضہ کے منہ میں ڈال دو، اس کے بعد مریضہ کی جو حالت ہو مجھے اطلاع دینا''۔ آپ قریب ہی ایک خانقاہ میں تشریف لے گئے اور خالق بے نیاز کی بارگاہ میں سر بسجود ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ خاں صاحب شاداں وفرحاں چلے آ رہے ہیں اور خبر دی کہ مریضہ کو ہوش آ گیا ہے اور چند روز بعد بالکل تندرست ہو گئیں۔ خاں صاحب اس واقعے کے بعد حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے اور جب تک زندہ رہے، بندۂ بے دام بنے رہے۔

اسی قسم کے صدہا عجیب وغریب علاج حضرت نے کیے۔ مگر چونکہ یہ چھوٹا سا کتابچہ ان تفصیلات کا متحمل نہیں ہوسکتا، اسی لیے نظر انداز کیے جاتے ہیں۔ مزید تفصیلات کے لیے'اکمل التاریخ' کا مطالعہ فرمائیں۔

سیاحی: آپ نے ممالک اسلامیہ اور ہندوستان کے طول وعرض کے متعدد سفر کیے، چونکہ آپ کو طی الارض حاصل تھا اور ساتھ کوئی ہوتا نہیں تھا، لہٰذا تمام سفروں کی تفصیل تو کسی کو نہیں معلوم، دیکھنے والوں نے اکثر آپ کو بغداد شریف، مدینہ منورہ، مکہ معظّمہ میں موجود پایا، جب کہ اسی وقت آپ بدایوں میں تشریف فرما ہوتے تھے۔ مختصراً ایک سفر حجاز اور ایک سفر عراق کا حال تحریر کیا جاتا ہے۔

سفر حجاز: ۱۲۵۵ھ میں جب کہ آپ آستانۂ حضرت قطب صاحب میں معتکف تھے حرمین شریفین کی حاضری کا قصد فرما کر پیادہ پا دہلی سے اجمیر، وہاں سے احمد آباد گجرات ہوتے ہوئے سورت پہنچے۔ راستے بھر خاصانِ خدا کی روحیں آپ کو نوازتی رہیں۔ دورانِ سفر اولیائے کرام کے

آستانوں پر حاضری کا خاص خیال رکھا گیا۔ دہلی سے سورت تک کا پاپیادہ سفر پھر سفر کی صعوبتیں، پھر راہ میں دریا، پہاڑ، جنگل، ریگستان بہر حال بلاعون الٰہی کسی طرح ممکن نہ تھا اور یہ مسافت کسی طرح چھ ماہ سے کم کی نہ تھی جو آپ نے سترہ دن میں طے کی۔ سورت سے بذریعے بحری سفر جدہ پہنچے، جدہ سے مکہ معظّمہ تک کا سفر بھی پیدل ہی طے کیا، اگرچہ اونٹ کا کرایہ جمع کر دیا گیا تھا مگر یہ اونٹ اس یتیم بچے اور بیوہ کو دے دیا گیا جس کے شوہر کا جہاز میں انتقال ہو گیا تھا۔ مکہ معظّمہ پہنچ کر ارکانِ حج ادا کیے اور اس مقدس فریضے کی ادائیگی سے فراغت پا کر مدینہ منورہ کی حاضری کا قصد کیا۔ قافلے کے ساتھ آپ کا اونٹ بھی روانہ ہوا۔ جب آبادی سے نیچے اتر آئے دیکھا تو یہ وہی بچہ تھا جس کا باپ جہاز میں اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔ آپ نے بچے کو گود میں لے کر قافلے میں اس کی ماں کو تلاش کیا اور راستے بھر اس کی نگرانی کرتے رہے۔ اس سفر میں بھی اپنا اونٹ اس بیوہ اور یتیم کو دے دیا اور خود مدینہ منورہ تک پیدل ہی سفر کیا۔ مدینے میں بارگاہ محبوب خدا ﷺ میں حاضری کا شرف حاصل کر کے یہاں کے علما و مشائخ کی مجلسوں میں شرکت کی اور اکابر حجاز سے اسانید حاصل کر کے ہندوستان کو مراجعت فرمائی۔ اسی مقدس سفر میں آپ کو ایک خدا رسیدہ بزرگ سے قصیدہ بردہ شریف کی اجازت بھی مل گئی۔ جب آپ کی بمبئی پہنچنے کی خبر عام ہوئی تو جوق در جوق لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ چلتا رہا۔ اس تھوڑے سے قیام کے دوران بہت سی مخلوقِ خدا آپ کی دعاؤں اور دواؤں سے فیض یاب ہوئی۔ نیز بہت سے احباب حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ آپ وطن واپس جانے والے ہی تھے کہ مکان سے خبر ملی کہ آپ کے والدِ ماجد حضرت مولانا شاہ عین الحق بہ قصد حرمین شریفین ایک قافلے کے ساتھ بدایوں سے روانہ ہو کر بڑودہ پہنچ چکے ہیں۔ آپ بھی فوراً بمبئی سے بڑودہ کے لیے روانہ ہو گئے اور والد محترم کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا اور یہیں سے والد محترم کی ہم رکابی میں پھر حرمین شریفین کا قصد فرمایا۔ اب یہ نورانی قافلہ بڑودہ سے بمبئی روانہ ہو گیا جو تقریباً دو سو افراد پر مشتمل تھا۔ راستے بھر عجیب و غریب فیوض و برکات کا ظہور ہوتا رہا۔ اسی مبارک سفر میں آپ کو 'معین الحق' کے لقب سے نوازا گیا۔ ارکانِ حج سے فراغت پا کر یہ نورانی قافلہ ارض مقدس کی جانب بڑھا۔ جب یہ قافلہ مدینہ طیبہ پہنچا تو آپ

نے ایک ہاتھ میں روضۂ انور کی جالی اور دوسرے ہاتھ میں دامنِ شیخ (والدمحترم) مضبوطی سے پکڑ کر بارگاہ رسالت میں عرض کیا:

یا رسول اللّٰہ انظر حالنا   یا حبیب اللّٰہ اسمع قالنا

بسلام آمدم جوابم دہ   مرہمت بر دل خرابم نہ

روضۂ انور سے وعلیك یا هندی کی مبارک صدا کان میں آئی۔

''اے ہندی تجھ پر اللہ کی سلامتی نازل ہو۔'' ساتھ ہی یہ بشارت بھی ملی کہ ہندوستان میں جونجدی خیالات کی تاریک گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں انہیں مٹانے کی کوشش کرو۔ یہ کام حضور نے وطن واپس آکر کیا اور فتنۂ نجد کے خلاف سب سے پہلا قدم حضرت اقدس ہی کا اٹھا اور رد وہابیہ پر سب سے پہلا شاہکار 'سیف الجبار' کی شکل میں ظاہر ہوا۔

سفرِ عراق: ۱۲۵۸ھ میں آپ نے سفرِ عراق کا قصد فرمایا، اس سفر کی غرض وغایت صرف آستانۂ غوثیہ پر حاضری دینا تھا، جس وقت آپ دربارِ پرانوار میں حاضر ہوئے، آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر نقیب بغداد حضرت مولانا سید علی صاحب خود بہ نفس نفیس مسند مطہر سے اتر کر تشریف لائے اور ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے کاشانہ اقدس میں لے گئے اور خاص اپنے پہلوئے اقدس میں جگہ دی یہ اعزاز واختصاص یقیناً حضور غوث پاک کی چشم کرم کا اشارہ تھا۔ ایک طرف تو یہ اعزاز بخشا جا رہا ہے کہ اپنی مسند کے حقیقی وارث کے برابر بٹھایا جا رہا ہے، دوسری طرف فرطِ محبت کا یہ عالم ہے کہ بے حجاب وبے نقاب عین بے داری کی حالت میں اپنے جمال جہاں آرا کی زیارت کرائی جا رہی ہے۔ اس منظر کا نقشہ سیدنا حضرت تاج الفحول نے اپنے اس شعر میں کھینچا ہے ؎

وہ جن کو عین بیداری میں تھا بغداد میں تم نے   دکھایا چہرۂ گلفام یا محبوب سبحانی

بغداد شریف میں آپ نے کافی عرصے تک قیام فرمایا۔ حضور پیرانِ پیر کے اشارے پر آپ کو خلافت خاندانی عطا فرمائی گئی نیز نقیب صاحب نے اپنے صاحبزادے سید سلیمان صاحب کو حکم دیا کہ آپ سے شرف تلمذ حاصل کریں۔ حضور غوث پاک کی چشم کرم نے تمام عراق میں آپ کے

کمالات کی دھوم مچادی۔جیسا کہ سیدی حضرت تاج الفحول کے ان اشعار سے ظاہر ہے ؎

وہ جن کی ذات اشرف سے ترے باعث ہیں سب واقف
حجاز و مصر و روم و شام یا محبوب سبحانی
شہ فضل رسول پاک جن کے ہاتھ سے پھیلا
جہاں میں تیرا فیض عام یا محبوب سبحانی

بغداد معلیٰ کی حاضری کا شرف آپ کو متعدد بار حاصل ہوا۔آخری مرتبہ جب آپ بغداد شریف حاضر ہوئے تو دیارِ غوث سے ایک تھیلی مرحمت فرمائی گئی جس میں شانہ کنگھی وغیرہ سامان تھا، یہ امانت بمبئی میں ساکن ایک ولیہ کی تھی، مگر اس عورت کا پتہ ونشان وغیرہ کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ آپ اس امانت کو اس عورت تک پہنچانے کے لیے بڑے بے چین تھے۔اتفاقاً ایک شب شکستہ حال پریشان عورت راہ میں آپ کو ملی، اس نے کہا'' مولوی صاحب اگر آپ ہمیں کچھ دیں تو ہم آپ کو ان بیگم صاحبہ کا پتہ بتائیں جن کی امانت آپ کے پاس ہے''۔چناں چہ اگلے دن اس نے پھر اسی جگہ ملنے کا وعدہ کیا۔حسب وعدہ اگلی شب وہی عورت پھر ملی اور اپنے ہمراہ آپ کو ایک ویرانے میں لے گئی۔دیکھا تو ایک تخت پر ایک خاتون جلوہ افروز ہیں، چھ عورتیں تخت کے چاروں طرف کھڑی ہیں اور تخت سے آسمان تک ایک نورانی سڑک سی بنی ہوئی ہے۔یہ ساتویں عورت بھی انہیں میں شامل ہوگئی۔تخت پر جلوہ افروز خاتون نے فرمایا'' مولوی صاحب وہ ہماری بغداد سے آئی ہوئی امانت کہاں ہے؟'' آپ نے فرمایا'' حاضر ہے'' یہ کہہ کر تھیلی پیش کردی۔خاتون نے فرمایا'' آپ نے امانت پہنچانے میں بہت تاخیر کی''۔فرمایا'' آپ کی قیام گاہ معلوم نہ ہونے کے باعث تاخیر ہوئی''۔بیگم صاحبہ نے فرمایا'' مولوی صاحب آپ فوراً حیدرآباد کو تشریف لے جائیں، آپ وہاں کے صاحب ولایت مقرر فرمائے گئے ہیں''۔یہ بیگم صاحبہ مرتبہ قطبیت پر فائز تھیں اور وہ ساتوں عورتیں مرتبۂ ابدالیت پر تھیں۔یہی وجہ تھی کہ آپ کا اکثر و بیشتر وقت حیدرآباد دکن میں گزرتا تھا اور چونکہ اللہ رب العزت نے آپ کو طی الارض کی کرامت سے نوازا تھا، اسی لیے کہیں بھی بلاتکان آجا سکتے تھے مگر جب سے اقلیم دکن کی ولایت آپ کو ملی آپ نے سیر و

سیاحت بہت کم کر دی تھی۔ ہر جگہ ہزاروں بندگانِ خدا آپ کے فیوضِ ظاہری و باطنی سے مستفیض ہوتے رہتے تھے۔حیدرآباد دکن میں آپ کے قیام کی شان بالکل انوکھی تھی۔نہ قیام گاہ کی فکر، نہ سروسامان کی پرواہ، جہاں جہاں قیام فرما دیا وہیں ضروریات کے سب سامان کو موجود پایا۔ جب روانگی کا قصد فرمایا تو صرف ایک لاٹھی ہاتھ میں لے کر روانہ ہو گئے اور سب سامان کو وہیں چھوڑ دیا،نذر وغیرہ جو کچھ جہاں سے ملتی سب غربا فقرا اور مساکین کو تقسیم فرما دیتے تھے۔

مشائخانہ زندگی: آپ کی مشائخانہ زندگی بڑی درخشاں اور تابناک ہے جیسے جیسے قرب الٰہی میں ترقی ہوتی جاتی ہے، دنیا آپ کی نظر میں ذلیل وخوار اور آپ دنیا کی نظر میں مقبول ہوتے چلے جاتے وہ بھی کیا عالم تھا جب آپ بدایوں میں جلوہ افروز تھے۔ مدرسہ قادریہ کی مسجد نور کے تڑکے نمازیوں کے نورانی چہروں سے جگمگا اُٹھتی تھی،نمازی آتے جاتے تھے اور فجر کی سنتیں ادا کر کے سر جھکائے صف بستہ ہوتے چلے جاتے تھے۔ جب حنفی مسلک کے مطابق جماعت کا وقت ہوتا حضور گھر سے سنتیں ادا کر کے مسجد میں تشریف لاتے،مکبر اقامت کہتا، آپ سیدھے محراب امامت پر پہنچ کر امامت فرماتے۔ بعد نماز طلوع آفتاب تک امام ومقتدی سب کے ہاتھ دعا کے لیے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پھیلے رہتے اور جوں ہی دعا ختم ہوتی،مصافحے کے لیے عجلت کرتے،تادیر دست بوسی اور قدم بوسی کا سلسلہ جاری رہتا،مسجد کے دروازے سے خانۂ اقدس تک دورویہ قطار میں بچے،عورتیں،مریض پیالے، گلاس ہاتھوں میں لیے کھڑے ہوئے نظر آتے،حضرت مسجد سے باہر تشریف لاتے اور سب پر آیات قرآنی تلاوت فرما کر دم کرتے جاتے۔اللہ اللہ کیسا پیارا، ایمان افروز منظر ہوتا تھا۔ مدرسہ قادریہ پاکیزہ ونورانی چہروں سے بقعہ نور بنا ہوا نظر آتا تھا۔الحمدللہ وہ روح پرور نظارے آج بھی ہیں اور ان شاءاللہ قیامت تک رہیں گے،مگر ایسے عقیدت منداور سچے فدائی اب کہاں ہیں۔لوگ آپ کو'امام باوا' کہہ کر یاد کرتے تھے۔لوگ مدرسے میں اس طرح پنجوں کے بل چلتے تھے کہ ذرہ برابر پیر کی آہٹ نہ ہو،آپ کا چہرۂ انور پُر جلال تھا اور کوئی نظر بھر کر دیکھنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ نہ کوئی بڑے سے بڑا مقرر آپ کے سامنے بے تکلف گفتگو کرسکتا تھا۔ ہمہ وقت کے حاضر باش بھی مشکل ہی سے لب کشائی کی

جرأت کرتے تھے۔

معمولات: اوقات شبانہ روز میں رات کا کل حصہ یادِ الٰہی کے لیے وقف تھا۔شب بے داری عادت ثانیہ بن چکی تھی۔طلوع آفتاب کے بعد چاشت تک اوراد و وظائف کا معمول تھا۔نو بجے کے بعد مسند درس وتدریس پر جلوہ افروز ہوتے تھے اور دوپہر تک یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔دوپہر کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ فرماتے اور بعد نمازِ ظہر پھر اوراد و وظائف میں مصروف ہو جاتے۔عصر کے بعد سے مغرب تک فیض رسانی کا سلسلہ جاری رہتا شہر کے چھوٹے، بڑے، امیر،غریب اپنی اپنی حاجات لے کر حاضر ہوتے اور بامراد واپس جاتے۔بعد نمازِ مغرب نوافل سے فارغ ہوکر علمی مسائل بیان فرماتے۔نماز عشا پڑھ کر دولت خانے پر تشریف لے جاتے۔ آخر عمر میں مستقل طور پر مدرسہ قادریہ میں استقامت اختیار فرمائی تھی۔بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ سے زبردست روحانی تعلق تھا۔شب کو مدرسہ قادریہ سے چل کر حضرت شاہ ولایت صاحب کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور رات بھر مزار اقدس کے مواجہہ میں بیٹھے رہتے۔غرض کہ شب بھر وہاں رہ کر نماز فجر مدرسے میں آکر ادا فرماتے۔جس زمانے میں آپ زیارتِ حرمین شریفین کے لیے پیادہ پا تشریف لے گئے تھے آپ کے والد محترم حضرت شاہ عین الحق باوجود انتہائی نقاہت کے چارپائی پر استراحت نہیں فرماتے تھے۔ایک دن مرید خاص میر خادم علی نے عرض کیا ''حضور آپ کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی، آپ چارپائی پر آرام فرمایا کریں''۔جواباً ارشاد فرمایا ''میر صاحب مجھے شرم معلوم ہوتی ہے کہ برخوردار مولوی فضل رسول تو پیادہ پا ہزاروں مصائب جھیلتے ہوئے سفر حج کریں اور مَیں چارپائی پر آرام کروں''۔کبھی کبھی ارشاد فرمایا کرتے تھے ''اگر میرے رب نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا تحفہ لائے ہو تو مَیں مولوی فضل رسول کو بارگاہ احدیت میں پیش کروں گا''۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو آپ کے مراتبِ عالیہ کی نشاندہی فرماتے ہیں۔

تصرفات وخوارقِ عادات: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو وہ زبردست قوتیں عطا فرما دیتا ہے کہ وہ بڑے بڑے شہنشاہوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے، جو چاہیں کرتے کراتے ہیں جو کہہ دیتے ہیں کر دکھاتے ہیں۔تصرف وکرامات ان کے ناز وغمزے ہیں۔

جناب میر مولانا رضا علی صاحب جو حضرت کے مشہور تلامذہ سے ہیں اور ریاست حیدر آباد کے مدار المہام تھے مع اہلیہ صاحبہ کے حضور سے بیعت تھے لاولد تھے۔ بار بار دلی تمنا کا اظہار کرنا چاہتے تھے مگر ادب مانع آجاتا تھا، بالآخر اپنے خسر مرزا ہاشم بیگ کے ذریعے اس خواہش کا اظہار کرایا۔ دونوں میاں بیوی ضعیف ہو چکے تھے۔ میر صاحب کی اس تمنا کا حضرت کے دل پر بڑا احساس ہوا، فرمایا ''میر صاحب دعا تو ہم کرتے ہیں مگر لڑکا ہو یا لڑکی یہ تو اللہ کی مرضی پر منحصر ہے''۔ جب تک مرزا ہاشم صاحب کے یہاں آپ کا قیام رہا روزانہ لوبان، شیرینی و پانی پر دم فرما دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ میر صاحب کے یہاں لڑکی تولد ہوئی اور جوان ہونے پر ان کی شادی حسین یار خاں برادر زادہ نواب محی الدولہ کے ساتھ ہوئی۔

بدایوں کے ایک معزز گھرانے کے ایک ہندو منشی بہادر سنگھ (کائستھ) کسی مرض میں مبتلا ہوئے، بہت کچھ علاج معالجہ کرایا مگر مرض میں افاقہ نہ ہوا۔ بالآخر معالج روحانی کی جناب میں حاضر ہونے کے قصد سے مدرسہ قادریہ میں پہنچے، معلوم ہوا جمعہ کا دن ہے۔

حسب معمول آستانہ مجیدیہ میں طلبا کے ساتھ ختم کلام پاک کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔ منشی جی جب وہاں پہنچے قرآن شریف کا دور چل رہا تھا چناں چہ درگاہ کے ایک گوشے میں مؤدب بیٹھ گئے۔ جب ختم قرآن ہوا، بعد فاتحہ شیرینی تقسیم ہوئی، تبرک بانٹنے والے نے ان کو غیر مذہب سمجھ کر چھوڑ دیا اور آگے بڑھنا چاہا حضرت نے وہیں سے اشارہ فرمایا'' آستانے کے تبرک سے کسی کو محروم نہ رکھا جائے''۔ چناں چہ منشی جی کو شیرینی دی گئی۔ اس تبرک کو منشی جی نے فوراً کھالیا۔ کھاتے ہی حالت دگرگوں ہوگئی، بے تابانہ اُٹھے اور حضرت اقدس کے قدموں پر جا پڑے۔ قبول اسلام کی تمنا ظاہر کی۔ حضور نے خود کلمہ طیبہ کی تلقین فرمائی۔ کلمہ شریف پڑھتے ہی عجیب حالت ہو گئی۔ ہاتھوں ہاتھ مدرسے میں لائے گئے۔ تین دن تک زندہ رہے، دوشنبہ کے روز رحلت فرما گئے۔ سارے شہر میں اس موت کی خبر پھیل گئی۔ ہجوم کثیر کے ساتھ نماز جنازہ ہوئی اور جوار روضۂ مقدسہ میں شرف دفن پایا۔ اسی زمانے میں حاجی محمد ضمیر صاحب ولایتی درگاہِ مجیدیہ میں چلہ کش تھے، فرماتے ہیں ''ایک رات میں رفع حاجت کے لیے آستانے سے باہر آیا اور اس طرف سے

گزرا جہاں یہ نومسلم (عبدالرحیم) دفن کیے گئے تھے۔ یکا یک پھولوں کی تیز خوشبو نے دماغ کو معطر کر دیا''۔ ولایتی صاحب قبر کے قریب پہنچے جو بہ وجہ بارش شق ہوگئی تھی مگر اس میں سے بہترین خوشبو آ رہی تھی کہ دنیا کے کسی پھول میں ایسی مہک نہیں جب قبر میں جھانک کر دیکھا تو پوری میت سر سے پیر تک تازہ پھولوں کے ہار سے لدی ہوئی تھی۔ ولایتی صاحب دوڑے ہوئے واپس آئے کہ درگاہ کے دوسرے لوگوں کو بھی یہ منظر دکھایا جائے، مگر جب دیگر حضرات بھی وہاں پہنچے تو کسی کو کچھ دکھائی نہ دیا۔

بریلی کے میاں کرامت علی شہیدی کا بڑا مشہور واقعہ ہے کہ وہ کسی ہندو لڑکے پر عاشق ہو گئے تھے اور ان کے عشق کا چرچا تمام بریلی میں تھا۔ اتفاق سے حضرت اقدس بریلی میں تشریف فرما تھے، ایک راستے سے آپ کی سواری گزر رہی تھی، راستے میں شہیدی صاحب کو حسن مجازی کا شکار بنا ہوا دیکھا لوگوں نے عرض کیا ''شہیدی یہی بزرگ ہیں'' حضرت نے گوشۂ چشم شہیدی پر ڈالا، بس پھر کیا تھا حسن حقیقی کے رنگ میں رنگ گئے۔ اگلے دن قیام گاہ پر تشریف لائے۔ داخل سلسلہ ہوئے اور نعتیہ قصیدہ سنایا۔ جب اس شعر پر پہنچے ؎

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا

حضرت نے زبان اقدس سے آمین فرمایا اور فرمایا ''ان شاء اللہ تمنا پوری ہوگی''۔ چناں چہ یہی ہوا کہ جب شہیدی صاحب فریضۂ حج سے فارغ ہو کر مدینۃ الرسول کی زیارت کے لیے چلے تو کیف و مستی کا عجیب عالم تھا۔ کبھی ناقہ سوار، کبھی پیادہ پا یہاں تک کہ جب روضۂ انور کے قریب پہنچے تو حالت دگرگوں ہوگئی۔ اِدھر نگاہوں نے گنبد خضرا کا طواف کیا، اُدھر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

ایام غدر میں جب کہ ہر طرف ہنگامے اور طوفان برپا تھے، ملک میں ہر طرف لوٹ مار اور قتل و غارت گری کی واردات ہو رہی تھیں، بدایوں میں اگرچہ امن قائم تھا مگر قرب و جوار کے ٹھاکروں نے غدر مچا دیا۔ موضع بکسینہ کے ٹھاکر بلی سنگھ کو اپنا سرگروہ بنایا اور ایک بڑا لشکر تیار کیا۔ لمبی لمبی

لاٹھیوں میں گنڈاسے لگوا کر فوجی اسلحے تیار کیے گئے۔ ان کا نعرہ تھا ''اٹھے گنڈاسا چلے گنڈاسا''۔ بدایوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ڈھول نقارے بجاتے ہوئے، لوٹ کھسوٹ کرتے، گھروں میں آگ لگاتے یہ غول بیابانی موضع شتاب نگر تک آ گیا جو بدایوں سے بالکل قریب ہے۔ بعض عمائدین شہر پریشان ہوئے اور مدرسہ عالیہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت اقدس سے سارے واقعات بیان کیے۔ آپ نے تسکینی کلمات ارشاد فرمائے اور فرمایا ''ان شاء اللہ بدایوں تک یہ اشرار نہ آنے پائیں گے''۔ اب یہ غول بیابانی بڑھتے بڑھتے کھیڑا نوادہ تک آ گیا۔ ساکنان بدایوں کی سراسیمگی کا عجیب عالم تھا، حضور ان کی بے چینی اور بدحواسی دیکھ کر بنفس نفیس تشریف لے گئے۔ بہت سے لوگ آپ کے ہمراہ ہو لیے۔ جب آپ حضرت میرانجی صاحب ملہم شہید کے مزار اقدس کے قریب پہنچے تو تین بار زمین سے خاک اٹھا کر شاہت الوجوہ کہہ کر شمال کے جانب پھینکی۔ حضور کے مٹی پھینکتے ہی گنواروں میں ہلڑ مچا، ہر شخص بدحواس ہو کر الٹے پاؤں بھاگا۔ سارا گروہ تتر بتر ہو گیا۔ بدایوں میں بہت سے حضرات نے اس واقعے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دوسروں سے بیان کیا۔

ذکر خلفائے مجاز: اللہ کی بے شمار مخلوق آپ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئی اور ہو رہی ہے۔ آپ کا حلقۂ ارادت بہت وسیع تھا، جن حضرات کو آپ نے خلافت عطا فرمائی وہ بھی مصدر فیوض و برکات ہو کر رہے۔ حضرت مولانا حکیم عبدالعزیز مکی، حضرت مولانا سید شاہ آل نبی حسنی حسینی شاہ جہانپوری، مولانا نذیر احمد عثمانی بدایونی، حضرت مولانا سید نور الحسن حیدرآبادی، حضرت مولانا سید شمس الضحیٰ بخاری، حضرت مولانا حاجی حمید الدین مچھلی شہری وغیرہ آپ کے مریدانِ خاص اور خلفائے مجاز میں سے ہیں۔ حضرت کے خلفائے مجاز ہندو بیرون ہند اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان سب کو یکجا کیا جائے تو ایک طویل فہرست مرتب ہوتی ہے اور اگر ان کے اجمالی تذکرے بھی لکھے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوگی۔ میرے منتخب کردہ اسمائے گرامی تو ایک فی صد بھی نہیں۔

ذکرِ وصال: ۱۲۸۹ھ میں جب حضرت اقدس کی عمر شریف ستتر سال کی تھی آپ کے دونوں شانوں کے درمیان پشت مبارک پر اڈیٹ نمودار ہوا، اس سے پیشتر اعضا میں کوئی خاص انحطاط معلوم نہیں ہوتا تھا۔ البتہ ظاہری بینائی زائل ہو گئی تھی۔ زخم کے ظاہر ہونے کے ساتھ ہی عقیدت مندوں کا ماتھا

ٹھنکا اور جیسے جیسے مرض میں شدت ہوتی گئی، اسی قدر تمام شہر میں بے چینی و اضطراب بڑھتا رہا۔ بدایوں اور بیرونی اطبا دور دراز سے آنا شروع ہوئے۔علمائے کرام جن کو علالت کا حال معلوم ہوا عیادت کے لیے تشریف لائے، ہر قسم کی ادویات کا استعمال ہوا مگر افاقہ نہ ہوا، تین ماہ تک آپ اسی ابتلائی دور سے گزرے۔ جمادی الاول کے آخری ہفتے سے بہت سے عقیدت منداپنے گھر بار چھوڑ کر مدرسے میں آپڑے تھے۔آخر وقت میں خدام ایک لمحے کے لیے بھی آپ سے جدا نہ ہوتے تھے۔ انہیں ایام میں ایک دن حضرت اقدس نے قاضی شمس الاسلام عباسی سے فرمایا ''قاضی صاحب دربار نبوت سے مجھے فرقہ وہابیہ کے استیصال کے لیے مامور کیا گیا تھا، الحمدللہ وہ کام پورا ہو چکا اور اب عنقریب مَیں اس جہانِ فانی سے رخصت ہونے والا ہوں''۔ جمادی الثانی کی دوسری تاریخ پنج شنبہ کے دن صاحبزادے شیخ الاسلام حضرت تاج الفحول کو طلب فرما کر نماز جنازہ کی وصیت کی اور ساتھ روانگی کے وقت کا تعین بھی فرمادیا کہ بعد ظہر اس جہانِ فانی سے رخصت ہوں گا۔نظروں ہی نظروں میں جملہ رموز عرفانی تعلیم فرما دیے اور درونِ دولت خانہ لے جانے کی خواہش ظاہر کی، چارپائی مکان کے اندر جاتے ہی خدام میں کہرام مچ گیا۔اسی عالم میں ظہر کا وقت آیا، اشارے سے فریضۂ الٰہی ادا فرمایا اور ذکر خفی میں مستغرق ہوگئے۔مولانا سراج الحق نے عرض کیا ''حضور آخری وقت میں کچھ تو غلاموں سے ارشاد فرمادیجیے'' اس جواب میں دو مرتبہ بہ آواز بلند حضور نے ''اللہ اللہ'' ارشاد فرمایا جسے دروازے کے باہر تمام خدام نے سنا اور اس کے ساتھ ہی روح لطیف قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

تجہیز و تکفین و تدفین: اس روح فرسا خبر کے عام ہوتے ہی سارے شہر میں تاریکی چھا گئی۔ حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ، مولانا سراج الحق قدس سرہٗ نے بہ شرکت دیگر علمائے کرام غسل دیا، بعد نماز عصر میت شریفہ عید گاہ شمسی لے جائی گئی، ہزاروں بندگانِ خدا جنازے میں شریک تھے۔ چاروں طرف سے مسلمانوں کے گروہ چلے آرہے تھے، رحمتِ الٰہی سے ہلکا ہلکا ترشح بھی ہو رہا تھا۔ بعد نمازِ مغرب حضرت تاج الفحول نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔نماز کے بعد جنازہ درگاہِ مجیدیہ کو روانہ ہوا اور اوّل وقت عشا میں جسد اطہر کو آخری آرام گاہ میں اتار دیا گیا۔قبر شریف پائین مزار حضرت شاہ

عین الحق صاحب حسب الارشاد بنائی گئی۔قبر مبارک کا تعویذ سنگ مرمر کا ہے۔دوسری اور تیسری جمادی الثانی کو عرس مبارک ہوتا ہے جس میں قرآن خوانی اور محافل میلاد شریف ہوتی ہیں۔

اَللّٰھُمَّ بارك علٰی جسده المنور و روحه المطهر وقبره المعطر

تصانیف: حدیث،تفسیر،فقہ،اصول،فلسفہ،منطق،ہیئت،تصوف غرض کہ کوئی فن ایسا نہیں جس پر حضرت نے طبع آزمائی نہ فرمائی ہو،خاص طور پر اختلافی مسائل کی جانب رجحان تھا۔ردّ وہابیہ،ردّ روافض وغیرہ پر بہت سے رسائل تحریر فرمائے ہیں۔بعض ادق کتابوں کی شرحیں بھی تحریر فرمائی ہیں۔ رسالہ سلوک،رسالہ نبض اور جو رسالے نجدیہ وہابیہ وغیر مقلدین کے ردّ میں لکھے وہ آج سنیت کی سند مانے جاتے ہیں اور آج بھی جب بدعقیدگی کے فتنے اٹھتے ہیں تو انہیں رسالوں کی مدد سے منہ توڑ جوابات دیے جاتے ہیں۔حضور کی سب سے اہم معرکۃ الآرا تصنیف 'سیف الجبار' ہے جس نے نجدی مکائد کی پول کھولی اور بارگاہِ رسالت کے گستاخوں کے دانت کھٹے کر دیے۔اس کے علاوہ حدیث میں شرح مسلم شریف،تصوف میں شرح فصوص الحکم،فقہ میں کتاب الصلوٰۃ،کلام میں المعتقد المنتقد جیسی مایہ ناز تصانیف چھوڑیں جن پر اکابر علمائے وقت مثلاً مولانا فضل حق خیرآبادی اور صدر الصدور دہلی مولانا صدر الدین آزردہ وغیرہ کی تقاریظ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات حضور سیف اللہ المسلول کو اپنے وقت کا جید ترین عالم تسلیم کرتے تھے۔

ردّ وہابیہ میں سیف الجبار کے علاوہ البوارق المحمدیہ،تصحیح المسائل،احقاق الحق،فصل الخطاب، اکمال فی بحث شد الرحال وغیرہ متعدد کتابیں ہیں جن کا جواب آج تک نہ ہو سکا۔

ان تمام تصانیف کے علاوہ ایک فتویٰ ہے جس کو ہندوستان کے آخری تاجدار ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ نے دہلی سے بہ کمالِ حسنِ عقیدت آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔خریطۂ سلطانی حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کیا گیا۔آپ نے فوراً جواب استفتا فرمایا،جس پر دہلی کے تمام اکابر علما نے تصحیح اور تصدیق کی مہریں ثبت کیں،بعد کو یہ فتویٰ شاہی حکم سے مطبع مفید الخلائق سے چھپ کر شائع ہوا جس کو حرف بہ حرف مصنف اکمل التاریخ نے اپنی تصنیف میں نقل کیا ہے۔

حضور نے گاہے گاہے نظم میں بھی اپنے خیالات کا تھوڑا بہت اظہار فرمایا ہے۔اردو،عربی،

فارسی تینوں زبانوں میں آپ کا کلام موجود ہے۔کلام میں تصوف کا رنگ غالب ہے۔نعت شریف، منقبت شریف سے قلبی لگاؤ تھا۔خلفائے راشدین میں سے ہر ایک پر آپ نے منقبتیں لکھی ہیں:

نمونہ کلام نعت شریف

فنا چیست عکس جلال محمد ﷺ　　　بقا چیست ظل جمال محمد ﷺ

خلفائے راشدین کے بارے میں

محبوب حق ہیں سب جو محمد کے یار ہیں　　　ارکانِ کانِ فضل جو ہیں ان میں چار ہیں

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان چار میں سے فضل خدا کے کلام سے　　　ثابت ہوا ہے جن کا سو وہ یارِ غار ہیں

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جو مدح حضرت فاروق کا خیال آیا　　　کمال دین نبی کا نظر جمال آیا

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ ذوالنورین کی مدح و ثنا ہے　　　کہ وہ نورِ دو چشم مصطفیٰ ہے

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خم غدیر میں ہے جو مئے ولائے علی　　　ہماری مستی ہے اس کی نہ اس شراب کی ہے

☆☆☆

شیخ الاسلام حضرت تاج الفحول، شاہ مظہر حق عبد القادر محبّ الرسول قدس سرہٗ

ولادت مبارکہ و ابتدائی تعلیم: آپ حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت مبارکہ ۱۷؍رجب المرجب ۱۲۵۳ھ کو ہوئی۔ جدِ محترم حضرت شاہ عین الحق نے تاریخی نام 'مظہر حق' رکھا اور عقیقے کے دن سیدنا حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے غیبی اشارے کے مطابق آپ کا اسم مبارک 'عبد القادر' رکھا گیا۔ والد محترم نے محبّ الرسول جزو نام قرار دیا۔ جن حضرات نے آپ کے بچپن کا زمانہ دیکھا ہے ان کا کہنا ہے کہ آپ عام بچوں سے بالکل جدا تھے، لہو ولعب کی طرف قطعاً رغبت نہ تھی، کبھی غیر شرعی امور کی جانب توجہ نہیں فرماتے تھے۔ آپ کی رسم تسمیہ خوانی آپ کے جد محترم نے فرمائی۔ بعد ازاں تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا حضرت مولانا نور احمد صاحب نے کمالات علمیہ میں آپ کو معراجِ کمال تک پہنچایا۔ اس کے بعد آپ نے استاذ الاساتذہ امام وقت حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ استاذ کو اپنے تلامذہ میں سے آپ پر ناز تھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''صاحب قوتِ قدسیہ ہر زمانے میں ظاہر نہیں ہوتے بلکہ عصراً بعد عصرٍ پیدا ہوتے ہیں، اگر اس زمانے میں کسی کا وجود تسلیم کیا جائے تو وہ عبد القادر ہیں''۔ ذہن کی جودت کا یہ عالم تھا کہ والد محترم فرمایا کرتے تھے کہ ''برخوردار عبد القادر کی ذہانت مجھ سے بھی زیادہ ہے''۔ حضرت مولانا فضل حق کے شاگردوں میں چار شاگرد عناصر اربعہ مانے جاتے تھے مگر حضرت تاج الفحول کا نام ان میں بھی سرفہرست تھا کیوں کہ تین شاگرد تو کسی خاص فن میں وحید عصر تھے مگر حضرت تاج الفحول کا تبحر جملہ علوم وفنون میں ہے۔ بعد فراغ علوم عقلیہ ونقلیہ سندِ اجازتِ حدیث اپنے والدِ ماجد سے لی اور شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے۔

حاضری حرمین شریفین: ۱۲۷۹ھ میں پہلی بار حرمین طیبین کی حاضری کا قصد فرمایا۔ اسی سفر میں امام المحد ثین حضرت مولانا شیخ جمال عمر حنفی مکی سے اجازت سند حدیث حاصل فرمائی۔

علمی لیاقت: مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل طلبا کو نہایت آسانی سے سمجھا دیتے تھے۔ فلسفہ اور منطق کی گتھیاں اس طرح سلجھا دیتے تھے کہ بڑے بڑے فلسفی اور منطقی منہ تکتے رہ جاتے تھے۔ اکثر اوقات بخاری شریف کے مطالعے میں مشغول رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بخاری شریف حرفاً حرفاً حفظ تھی۔ آپ جس طرح کلامِ الٰہی کے حافظ تھے اسی طرح احادیث نبوی کے بھی حافظ تھے۔ آپ کے تلامذہ میں قبلۂ عالم حضرت مولانا حافظ شاہ عبدالصمد سہسوانی کو بھی یہ شرف حاصل تھا اور وہ بھی 'حافظ بخاری' کہلائے جاتے تھے۔

طرزِ تحریر: حضرت تاج الفحول کا اندازِ تحریر بالکل انوکھا اور نرالا تھا۔ تحقیقی مضامین کو اہمیت دی جاتی تھی۔ آپ کو تصنیف کا بے حد شوق تھا، لیکن زیادہ تر تصانیف تلامذہ کے نام سے شائع ہوتی تھی۔ مدرسہ قادریہ کے کتب خانے میں مختلف علوم وفنون کے صدہا مسودات دست اقدس کے لکھے ہوئے موجود ہیں۔ شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو جس پر آپ کے دست اقدس کا حاشیہ نہ ہو، فرقہ مبتدعہ باطلہ کا رد بڑی شد ومد سے کیا ہے۔ حضرت تاج الفحول کی تقریر بھی تحریر سے کم پرکشش نہ تھی۔ قوت استدلال کا تو جواب نہ تھا مگر اندازِ تقریر نہایت سادہ اور عام فہم ہوتا تھا۔ جب آپ درس دیا کرتے تھے تو اہل نظر کہتے تھے ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسندِ حرم پر حضرت امام مالک جلوہ افروز ہو کر درسِ حدیث دے رہے ہیں''۔ سننے والوں کے سینے نورِ ایمان سے چمکنے لگتے تھے۔ تصوف وعرفان کی یہ شان تھی کہ جس طرف توجہ فرمائی جاتی حجابات اٹھا دیے جاتے تھے۔ اس رویت و بے حجابی کا تذکرہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک قصیدے چراغ انس میں کیا ہے۔

مَیں بھی دیکھوں جو تو نے دیکھا ہے — روز سعی صفا محبّ رسول
صفا مروہ پہ تو نے جو دیکھا — وہ مجھے بھی دکھا محبّ رسول
ہاں یہ سچ ہے کہ یاں وہ آنکھ کہاں — آنکھ پہلے دلا محبّ رسول

یہی قصیدہ چراغ انس جب فاضل بریلوی نے نیازمندانہ عقیدت کے ساتھ پیش کیا تو آپ نے بہ کمال تواضع وانکساری ارشاد فرمایا کہ ''میری زندگی میں اس قصیدے کو شائع نہ کرایا جائے''۔ پھر بھی قاضی عبدالوحید نے یہ قصیدہ حاصل کر کے تحفہ حنفیہ پٹنہ کی جلد۴، شمارہ ۹-۱۰، رمضان رشوال

۱۳۱۸ھ میں شائع کرایا۔

شریعت مطہرہ کا احترام: آپ شریعت مطہرہ کے پیکر اتم تھے۔ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو احادیث مبارکہ سے مزین نہ ہو۔ کوئی قدم ایسا نہیں اٹھا جو شریعت مطہرہ کے دائرے سے باہر ہو، جس طرح حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے، بعینہٖ حضرت تاج الفحول کی حیات مقدسہ احادیث نبوی کی مکمل اور جامع تفسیر ہے۔ جس کا جی چاہے صحاح ستہ کو کھول کر بیٹھ جائے اور حضور ﷺ کی حیات مقدسہ کا ایک ایک لمحہ دیکھتا جائے ان شاء اللہ سرمو فرق نہ پائے گا۔

شانِ درویشی: کمال درویشی کی پردہ داری اس قدر ملحوظ خاطر تھی اور اُس کے اخفا میں اس قدر مبالغہ فرمایا جاتا تھا کہ باوجودے کہ ہزاروں کرامتیں رات دن صادر ہوتی رہتی تھیں مگر انہیں اس پیرائے میں ادا کیا جاتا تھا کہ بجز واقفان حال کے کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ جملہ حرکات وسکنات، افعال واقوال وعادات واطوار میں سلف صالحین کا ظہور تھا۔ پوری زندگی اس کا التزام رکھا کہ کوئی سنت سہواً یا قصداً ترک نہ ہو، یہاں تک کہ جس طرح سید عالم ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے وقت کاشانۂ نبوت میں چراغ میں تیل تک نہ تھا اور کہیں سے اُدھار منگایا گیا تھا، اس سنت کا بھی اس طرح ظہور ہو کر رہا کہ جب جنازہ مدرسہ قادریہ سے دولت خانے کے اندر لے جایا گیا تو مکان میں چراغ گل چکا تھا۔ یہاں تک کہ روغن اُدھار منگایا گیا۔ آپ کے زمانۂ مقدسہ میں آپ کی محبت سنت وہدایت کی علامت تسلیم کی جاتی تھی اور آپ سے دوری اور بغض، سنت اور ہدایت سے دوری مانا جاتا تھا۔ جیسا کہ فاضل بریلوی فرماتے ہیں ؎

ٹھیک معیار سنیت ہے آج　　　تیری حب و ولا محبّ رسول

سنیت سے پھرا ہدیٰ سے پھرا　　　اب جو تجھ سے پھرا محبّ رسول

یہی نہیں بلکہ فاضل بریلوی خود کو حضور تاج الفحول کے زیر سایہ سمجھتے تھے، کہتے ہیں ؎

تجھ پہ فضل رسول کا سایہ　　　مجھ پہ سایہ ترا محبّ رسول

مولانا حسن رضا خاں بریلوی نے اپنی مشہور مثنوی صمصام حسن میں جہاں علمائے اہل سنت کا ذکر کیا ہے سب سے پہلے حضرت تاج الفحول کی مدح میں ۵ر شعر ہیں ان کا پہلا شعر ہے ؎

افسر کل، گوہرِ تاجِ فحول   مظہر حق شاہ محبّ رسول

اور لفظ تاج الفحول پر(۱) ڈال کر اس کی تشریح حاشیے میں ان الفاظ سے کی ہے ’’ص ا، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا مولوی حافظ حاجی شاہ محمد عبدالقادر صاحب قبلہ بدایونی، امام اہل سنت دام ظلہم العالی‘‘

مولانا ظفرالدین بہاری شاگرد فاضل بریلوی کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد آرزؔو اپنے مضمون مطبوعہ رسالہ المیز ان امام احمد رضا نمبر میں صفحہ ۳۳۶ پر لکھتے ہیں کہ ’’مولانا ظفرالدین نے فاضل بریلوی کے ایک عربی شعر پر (جس میں علما کی شان میں کہا گیا تھا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر شہر سے چلے جائیں تو شہر ویران لگنے لگے اور اگر ویرانے میں بیٹھ جائیں تو ویرانہ آباد ہو جائے) اُن کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ تو صرف مبالغہ شاعرانہ معلوم ہوتا ہے۔اس پر فاضل بریلوی نے فرمایا کہ ’’نہیں یہ بالکل واقعہ ہے‘‘۔حضرت تاج الفحول کی یہی شان تھی جب تشریف لاتے تھے شہر کی حالت بدل جاتی تھی اور جب تشریف لے جاتے تھے تو باوجودے کہ سب موجود ہوتے تھے مگر ایک اداسی اور ویرانی چھا جاتی‘‘۔

حضرت تاج الفحول کے زمانے میں بدعقیدگی کی جتنی تحریکیں اُٹھیں اُن کا آپ نے سختی سے مقابلہ کیا اور ان کا سدباب کیا۔فاضل بریلوی فرماتے ہیں ؎

آج قائم ہے دم قدم سے ترے   دین حق کی بنا محبّ رسول
رفض و تفضیل و نجدیت کا گلا   تیرے ہاتھوں کٹا محبّ رسول
ہدم بنیان نجد کا طرہ   تیرے سر پر سجا محبّ رسول
ہزم احزاب ندوہ کا سہرا   تیرے ماتھے رہا محبّ رسول

عام مخلوق پر رحمت خاص تھی، لیکن مذہبی امور میں کوئی رواداری نہ تھی بلکہ الحب للّٰہ والبغض للّٰہ کی شان دکھائی دیتی تھی۔شانِ حقانیت جلال کا پہلو لیے ہوئے تھی۔ندوۃ العلما سے اختلاف کے موقع پر یہ شان مکمل طور پر ظاہر ہو کر رہی اور دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ اہلِ حق کی شان کیا ہوتی ہے۔فاضل بریلوی ’المعتقد‘ کے حاشیے ’المعتمد‘ مطبوعہ استنبول ص ۲۳۱ پر فرماتے ہیں

کہ ہندوستان بھر کے علمائے اہل سنت نے ندوہ کا رد کیا اور اُن سب کے سردار حضرت تاج الفحول تھے (مفہوم) جہاں جہاں ندوہ کے سالانہ اجلاس ہوئے، ڈنکے کی چوٹ پران کے دینی نقائص منظر عام پر لائے گئے۔علمی مسائل اور استدلال میں تو کچھ چلتی نہ تھی البتہ زرداروں کوایذ ارسانی پر لگا دیا جاتا تھا۔مگر سرکار نے ان کی مخالفت کی کبھی کوئی پرواہ نہ کی اور لاخوف علیھم و لاھم یحزنون کی شان ہمیشہ نمایاں رہی۔بریلی کے جلسے میں ایک جمع میں علمائے ندوہ کی پوری ٹیم موجود تھی، جب ان حضرات کومعلوم ہوا کہ حضرت تاج الفحول بھی تشریف فرما ہیں تو جمعہ کے دوفرض ادا کرتے ہی ایک ایک دو دو کر کے آنکھیں بچا کر نکل گئے۔آپ کا وجودمحمود دنیائے اسلام کے لیے باعثِ فخر تھا۔آپ کے ذریعے بغداد کی تجلی بدایوں میں جلوہ ریز ہوئی۔تلاشِ حق کے راہی مدرسہ قادریہ میں حاضر ہوتے اور بانیل مرام واپس جاتے۔مدرسہ قادریہ میں علما وفضلا اور مشائخ کا تانتا لگا رہتا تھا، جملہ سلاسل کے رموز ونکات کی تعلیم فرماتے تھے۔مخصوص اور مستحق حضرات کوخلافت کی امانت سونپی جاتی تھی۔حضرت تاج الفحول پر سرکار بغداد کی مخصوص توجہ اظہر من الشّمس تھی، ہر سال بغداد معلیٰ کی حاضری کے بعد اجمیر شریف حاضری ہوتی تھی۔متعدد بار حرمین شریفین کی حاضری کا شرف حاصل ہوا اور بغداد معلیٰ کے علاوہ نجف اشرف، کربلائے معلیٰ، کاظمین، بیت المقدس وغیرہ میں بھی حاضری کا شرف ملا۔ ہندوستان میں کوئی ایسا مزار نہیں جہاں متعدد بار آپ کی حاضری نہ ہوئی ہو اور جہاں آپ کا وعظ نہ ہوا ہو،خصوصاً مزارات حضرات سلسلہ عالیہ قادریہ ہند وعرب وشام و عراق میں کوئی ایسا نہیں جہاں آپ تشریف نہ لے گئے ہوں۔

تاج الفحول: حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے زمانے میں امام الانام اور شیخ الاسلام تھے۔عرب وعجم، شام وعراق تمام بلاد اسلامیہ میں آپ کی بزرگی اور فضل وکمال مسلم ہے۔

علما ومشائخ عصر نے متفقہ طور پر آپ کو'تاج الفحول' کے مبارک خطاب سے یاد کیا، آپ کے مناقب نظم ونثر میں تحریر کیے گئے، فی زمانہ کوئی علمی درس گاہ ایسی نہیں جہاں بہ صد احترام آپ کا نام نہ لیا جاتا ہو۔

وصال شریف: ۱۷ر جمادی الاول ۱۳۱۹ھ کو اتوار کا دن گزار کر شب دوشنبہ میں بعد ادائے نماز عشا

ایک ہفتے کی علالت کے بعد یہ آفتابِ فضل وکمال غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون یہ روح فرسا خبر سنتے ہی ہزارہا بندگان خدا مجتمع ہونا شروع ہوئے۔ بعد نمازِ فجر تجہیز وتکفین کی گئی۔ خاندانی معمولات کے مطابق عیدگاہ شمسی میں نماز جنازہ ادا ہوئی۔ قبلۃ الاولیا حضرت مولانا شاہ مطیع الرسول عبدالمقتدر نے امامت فرمائی۔ مرشدِ برحق والد بزرگوار کے پہلو میں سمت قبلہ جسدِ اطہر کو سپرد خاک کیا گیا۔ عقیدت مند حضرات نے سیکڑوں وصال کی تاریخیں نکالیں جو ایک جلد میں قلم بند کر لی گئی ہیں۔ آپ کا عرس شریف ۱۷/۱۸ جمادی الاول کو ہوتا ہے۔

اولاد امجاد: آپ کی پہلی شادی مولانا ظہور احمد کی دختر نیک اختر سے ہوئی جن کے بطن سے حضرت شاہ مطیع الرسول اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔ صاحبزادی کی شادی دہلی کے ایک معزز خاندان میں مولوی خواجہ عبداللہ صاحب کے ساتھ ہوئی۔ ان سے دو صاحبزادے خواجہ رضی الدین اور خواجہ نظام الدین ہوئے۔ ان صاحبزادی کو والدِ محترم سے بے پناہ محبت تھی چناں چہ حضرت تاج الفحول کے وصال کے دو ہفتے کے بعد ہی راہیِ ملکِ بقا ہوگئیں۔

دوسری شادی آپ کی دہلی کے خواجہ ضیاء الدین صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی۔ ان بی بی صاحبہ کے بطن سے صاحبزادے عاشق الرسول حضرت مولانا عبدالقدیر اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔

تصانیف: حضرت تاج الفحول کی تصانیف میں سب سے زیادہ مواد ردّ وہابیہ میں ہے جس میں سے اکثر حصہ مطبوع اور کچھ غیر مطبوع ہے۔ 'تحقیق المسائل' آپ کی وہ معرکۃ الآرا تصنیف ہے جس میں ایک سو مسائل فقہیہ کی تحقیق وتصریح کی گئی ہے۔ دوسری معرکۃ الآرا تصنیف 'سیف الاسلام' ہے جس میں مولود شریف اور قیام کے متعلق زبردست تحقیق کی گئی ہے جس نے ہمیشہ کے لیے مخالفین محافل میلاد شریف کو خاموش کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں ایک رسالہ تقویت الایمان کا مکمل ردّ ہے جو غیر مطبوعہ ہے، علاوہ ازیں ایک رسالہ عربی میں مصافحے کی تحقیق میں ہے۔، علاوہ کتب دینیہ کے چار دیوان ہیں جو نعت ومنقبت میں ہیں، ایک دیوان عربی کا ایک فارسی کا اور دو اُردو کے۔ فن تاریخ سے بھی آپ کو یک گونہ دلچسپی تھی، چناں چہ 'تاریخ بدایوں' کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی جس میں بدایوں کے اولیاء اللہ کے حالات ہیں۔ نیز علما، شعرا، اطبا اور حفاظ کا بھی تذکرہ ہے۔

تلامذہ: حضرت قبلہ تاج الفحول کے تلامذہ کی بھی ایک طویل فہرست ہے جن میں مولانا فضل احمد، مولانا فضل مجید، مولوی حافظ اعجاز احمد، مولوی امتیاز الدین غزنوی، قاضی ظہور الاسلام عباسی، قاضی شمس الدین، مفتی کرم احمد وغیرہ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بیرون جات کے تلامذہ مولانا عبدالرزاق مکی، مولانا سید مصطفیٰ بغدادی، حضرت سیدی شاہ ابوالحسین احمد نوری، حاجی اسماعیل حسن مارہروی، مولانا سید شاہ عبدالصمد سہسوانی، مولوی راحت حسین عظیم آبادی، مولانا عبدالرزاق قندھاری، مولانا شاہ محمد عمر حیدرآبادی، مولانا عبدالقیوم پشاوری وغیرہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

خلفا میں سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ حضرت سید ابراہیم میاں مارہروی کا نام قابلِ ذکر ہے۔ آپ حضرت ستھرے میاں مارہروی کے بڑے صاحبزادے حضرت جما میاں کے پوتے تھے۔ حضور اچھے صاحب قدس سرہٗ جما میاں سے ناراض تھے، اس لیے اپنے بھتیجوں کو فیوض و برکات سے نوازتے وقت جما میاں کا حصہ شاہ عین الحق کو امانتاً عطا فرمایا تھا اور کہا تھا کہ ''جما تائب ہو جائے تو اس کو یا اس کی اولاد میں کوئی اہل ہو اس کو دے دیا جائے''۔ چناں چہ حضرت تاج الفحول کے دور میں سید ابراہیم میاں صاحب مسلک اہلِ سنت میں واپس آئے تحصیل علوم کی۔ انہوں نے یہ روایت مارہرہ میں سنی کہ میرے دادا کا حصہ بدایوں میں امانتاً موجود ہے۔ آئے اور حضرت تاج الفحول سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت کے عذر کرنے پر فرمایا کہ ''مَیں اپنا حصہ لینے آیا ہوں جو دنیاوی روپیہ پیسہ نہیں ہے بلکہ روحانی ہے اور اس کے حصول کا یہی طریقہ ہے کہ آپ مجھے بیعت کر لیں''۔ چناں چہ حضور تاج الفحول نے بیعت کیا اور خلافت عطا فرمائی۔ حضرت ابراہیم میاں صاحب اپنے دور کے کاملین میں گزرے ہیں۔ اکثر بدایوں میں قیام رہتا، جذب و سلوک دونوں شانیں تھیں۔ ہزارہا بندگانِ خدا آپ سے فیض یاب ہوئے۔

☆☆☆

حضرت مولانا شاہ غلام پیر مطیع الرسول محمد عبدالمقتدر قادری قدس سرہٗ

سجدے میں سر جھکا کے جو واصل بحق ہوئے
وہ کیوں نہ مقتدر ہوں خدا کی جناب میں

ولادت مبارکہ: آپ حضرت تاج الفحول کے بڑے صاحبزادے ہیں۔آپ کی ولادت شریفہ ۱۱؍جمادی الثانی بروز دوشنبہ بوقت صبح ۱۲۸۳ھ میں ہوئی۔'غلام پیر' تاریخی نام ہے۔حضرت سیف اللہ المسلول نے 'مطیع الرسول محمد عبدالمقتدر' نام تجویز فرمایا اور ساتھ ہی حضرت تاج الفحول کو دوسرے فرزند کی خوش خبری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''ان کا نام 'عبدالقدیر' رکھنا''۔بچپن ہی سے شانِ ولایت چہرۂ اقدس سے ظاہر ہوتی تھی۔ چھ برس تک بزرگ دادا کی پاکیزہ نگاہوں نے ولایت ومعرفت کے گہوارے میں پالا۔حضرت مولانا حکیم سراج الحق نے بسم اللہ شروع کرائی اور تھوڑی سی عمر میں ہی جملہ علوم وفنون حاصل کر لیے۔ہوش سنبھالتے ہی عبادت وریاضت کا سلسلہ شروع ہوا۔آپ کی تحریر وتقریر میں بلا کا اثر تھا،شان استدلال بالکل انوکھی تھی۔بچپن ہی سے والد ماجد کا اس قدر ادب واحترام کرتے تھے کہ دوسرے بچے بالعموم اس عمر میں نہیں کر سکتے۔

حضرت تاج الفحول آپ کو 'مولانا صاحب' کہا کرتے تھے۔اکثر ارشاد فرماتے کہ ''مولانا صاحب میرے شاگرد اور مرید ہیں،لیکن ان کی یہ شان ہے کہ کاش مَیں ان کا مرید ہوتا''۔اللہ اکبر! حضرت تاج الفحول جیسا شیخ کامل جس کے بارے میں ایسے الفاظ کہے اس کے مرتبے اور بزرگی کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بعد وصال حضرت تاج الفحول مکمل طور پر راغب الی اللہ ہو گئے۔زندگی کا ہر لمحہ یادِ الٰہی میں گزرتا تھا۔حضرت تاج الفحول نے جب سند اجازت عطا فرمائی تو آپ نے نہایت عجز وانکسار کے ساتھ تحریری عذرات پیش کیے مگر کوئی عذر قبول نہ ہوا۔سب سے پہلے مولانا حکیم عبدالماجد صاحب نے حضرت تاج الفحول کی موجودگی میں آپ کے دست اقدس پر بیعت کی،اس کے بعد

سلسلہ جاری ہوا۔حضرت سیف اللہ المسلول کے عرس مبارک کے موقع پر ماہ جمادی الثانی ۱۳۱۹ھ میں علمائے کرام اور مشائخ عظام کی موجودگی میں سجادہ نشینی کی رسم ادا کی گئی۔شیخ الاولیا حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری نے خرقۂ مبارک پہنایا اور خود بہ نفس نفیس سب سے پہلے نذر پیش کی۔اس تقریب کے موقع پر مولوی سدید الدین نے ایک قصیدہ پڑھا جس کا مطلع ہے۔

بادۂ عرفاں سے کیا لبریز ہے پیمانہ آج
میکشی سے مست ہے خود ساقی میخانہ آج

فیض باریاں: سجادہ نشینی کے بعد آپ کی فیض باریاں شروع ہوئیں، ہزار ہا بندگان خدا سیراب ہوئے اور ہزاروں کوراہِ ہدایت نصیب ہوئی، سیکڑوں ہزاروں تصرفات وکرامات اشاروں کنایوں میں صادر ہوتی رہتی تھیں۔آپ کی بااصول اور خدا شناس زندگی کو دیکھ کر لوگ عش عش کرتے تھے کہ اس گئے گزرے زمانے میں بھی ایسے خدا والے لوگ موجود ہیں۔دو مرتبہ حرمین شریفین اور ایک مرتبہ اماکن مقدسہ بغداد، کاظمین، کربلا، نجف اشرف میں حاضری کا شرف ملا۔اس درجہ محویت کے باوجود درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔معقول ومنقول کے منتہی تھے، عربی ادب میں جواب نہ تھا۔روزمرہ کے سادہ الفاظ دلوں پر نقش ہوجاتے تھے۔کوئی دن ایسا نہ گزرتا تھا کہ شہر میں کہیں نہ کہیں آپ کا وعظ مبارک نہ ہو، مگر جو کوئی سنتا تھا ہمہ تن گوش ہوجاتا تھا۔شانِ خطابت کا یہ عالم تھا کہ ذرا سی دیر میں محفل پر جیسے اثرات چاہتے مرتب فرما دیتے تھے۔دنیا کی دولت وثروت اگرچہ قدموں سے لگی ہوئی تھی، مگر آپ نے کبھی دنیوی دولت کی طرف توجہ نہ کی، پیسہ کوڑی ہاتھ میں لینا تو بڑی بات ہے کبھی نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔فقرا کی خدمت عین باعثِ مسرت تھی۔فقرا بھی خوب لڑ جھگڑ کر لیتے تھے، جانتے تھے غنی ابن غنی ہیں جو چاہیں گے عطا فرما دیں گے۔

عبادت وریاضت کا یہ عالم تھا کہ پچاس برس کی عمر ہی میں قویٰ میں ضعف پیدا ہوگیا تھا۔جمعے کے دن جب درگاہ شریف تشریف لے جاتے تھے تو راستے میں سیدنا حضرت علی شہید کے

مزار اقدس پر فاتحہ پڑھتے اور قدرے قیام فرماتے ایک آدھ جگہ اور راستے میں قدرے آرام فرماتے۔ آپ کا سایۂ کرم مسلمانوں کے لیے ظل رحمت تھا۔ مدرسہ قادریہ میں رہ کر ہزارہا بندگانِ خدا آپ کے قلزمِ علم سے فیض یاب ہوئے۔

تصانیف: تصنیف وتالیف کا شوق بھی ورثہ میں ملا تھا مگر درس وتدریس اور دینی مشاغل اتنے تھے کہ اس طرف خاص توجہ مبذول فرمانے کا موقع ہی نہ ملتا تھا۔ تاہم ایک ضخیم تفسیر 'تفسیر عباسی' کا اُردو ترجمہ آپ نے کیا جو تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ کی بھی ایک طویل فہرست ہے جس میں سے چند مشاہیر کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔ مولوی حبیب الٰہی مارہروی، سید محمد میاں مارہروی، مولوی عبدالشکور پٹنہ، مولوی سید رشید احمد بہاری، مولوی فضل احمد گجراتی، حافظ محمد موسیٰ بمبئی، مولوی منیرالدین حیدرآبادی، مولوی فضل احمد بدایونی، مولوی حبیب الرحمٰن قادری، مولوی عبدالمجید آنولوی، مفتی حسین احمد پھاسو، مولوی ابراہیم بدایونی۔

وصالِ مبارک: مرض کا آغاز پیٹ کے درد سے ہوا۔ ہفتہ عشرہ تکلیف رہی اور بالآخر وہ وقت بھی آیا کہ نصیبِ دوستاں حضور اقدس کامل طور پر صحت یاب ہو گئے۔ غسل صحت کے ساتھ محفل میلاد پاک بھی منعقد ہوئی اور رات دن کے معمولات پھر اپنی اصلی حالت پر آ گئے۔ غلامان وفدائیان شمع کے گرد پروانوں کی طرح چکر لگانے لگے۔ حسب معمول ایک دن بعد نمازِ عشا مدرسہ قادریہ سے دولت خانے تشریف لے چلے، عقیدت مند حضرات پیچھے پیچھے چل رہے تھے، کنوئیں کے پاس اچانک رُک گئے اور پیچھے آنے والوں سے مخاطب ہو کر فرمایا ''لوگ اچانک موت کو نہ معلوم کیوں برا کہتے ہیں، حالاں کہ وہ تو ایسی موت ہوتی ہے جس میں نہ تو بیماری وعلالت کی کرب و بے چینی، نہ طویل سکرات کا عالم، نہ دوسروں کی خدمت کی چنداں حاجت''۔ لوگوں نے عرض کیا ''حضور اچانک موت سے پناہ اس لیے مانگی جاتی ہے کہ نہ تو عبادت وریاضت کا موقع ملتا ہے، نہ توبہ استغفار کی گنجائش ہوتی ہے، آناً فاناً سب کام ہو جاتا ہے''۔ فرمایا ''اور جو رات دن عبادت میں ہی لگا رہتا ہو؟'' لوگ خاموش ہو گئے اور حضور مسکراتے ہوئے دولت کدے کے اندر تشریف

لے گئے ۔ یہ شب حضور کی زندگی کی آخری شب تھی اور فدائیوں سے وہ کلمات آخری کلمات تھے اور فدائیوں کو بھی وہ دیدار آخری دیدار تھا۔ گھر کے دروازے پر حضرت قبلہ مولانا شاہ عبدالقدیر کو قریب بلا کر دونوں ہاتھ ان کے کندھے پر رکھ کر فرمایا کہ ''فلاں ورد پورا ہو گیا یا نہیں؟'' عرض کیا کہ '' آج ہو جائے گا''۔ فرمایا ''اس کو آج ہو جانا چاہیے''۔ اس کے بعد چند لمحے حضرت قبلہ کے چہرے کو دیکھتے رہے۔ پھر ''فی امان اللہ'' فرما کر اندر تشریف لے گئے۔

دوسری صبح معمول کے خلاف اندر ہی اول وقت فجر کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے سنتیں پڑھیں۔ فرض شروع کیے، آخری رکعت کے آخری سجدے میں جا کر پھر سر نہ اٹھایا۔ باہر وقت مقررہ پر جب سرکار تشریف نہ لائے تو حضرت قبلہ نے نماز پڑھائی۔ دورانِ نماز بے شمار آدمی آ کر نماز میں شریک ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک شب میں خواب میں سرکار کو دیکھ کر آیا تھا۔ سلام پھیرتے ہی سب نے بہ یک آواز دریافت کیا کہ ''سرکار کا مزاج کیسا ہے؟'' کہا گیا کہ الحمدللہ ٹھیک ہے۔ اتنے میں اندر سے اطلاع آئی کہ کافی دیر ہو گئی سرکار نے سجدے سے سر نہیں اُٹھایا ہے۔ اس خبر کو سنتے ہی حضرت قبلہ اور دیگر اعزا فوراً اندر گئے، دیکھا کہ سجدے میں سر ہے اور روح اپنے مالک و مولیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو چکی ہے۔ آناً فاناً یہ خبر پورے شہر میں پھیل گئی۔ حضرت قبلہ نے آپ کو مصلے سے اٹھا کر پلنگ پر لٹایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

اٹھ گئے سارے پردہ ہائے مجاز
اللہ اللہ مقتدر کی نماز

دولت کدے پر جمِ غفیر اکٹھا ہو گیا۔ ۲۵ر محرم الحرام ۱۳۳۴ھ کو واصل الی اللہ ہوئے۔ خاندانی روایات کے مطابق عیدگاہ شمسی میں نماز جنازہ ہوئی۔ نماز جنازہ حضرت قبلہ شاہ عبدالقدیر صاحب نے پڑھائی۔ نماز کے بعد درگاہِ مجیدیہ میں حضرت تاج الفحول کے برابر آخری آرام گاہ میں لٹا دیا گیا۔

☆☆☆

عاشق الرسول حضرت مولانا محمد عبدالقدیر قادری رحمۃ اللہ علیہ

جانشین مقتدر آئینۂ تاج الفحول
پیکر عینی معینی جامعیت السلام
در غوث الورا سے دو جہاں کی نعمتیں لے کر
ہمارے پاس آیا ہے ہمارا قادری دولہا

ولادتِ مبارکہ: آپ حضرت تاج الفحول فقیر قادری قدس سرہٗ کی جیتی جاگتی نورانی تصویر تھے۔آپ کی ولادت مبارکہ سے تقریباً تیس سال قبل جب کہ شاید آپ کی والدہ ماجدہ بھی پیدا نہ ہوئی ہوں، آپ کے مقدس دادا نے آپ کی ولادت کی خوش خبری دے دی تھی۔آپ کی ولادت ۱۱رشوال ۱۳۱۱ھ میں ہوئی۔اس زمانے میں حضرت اقدس تاج الفحول بمبئی میں رونق افروز تھے۔بدایوں سے تار پہنچا ''مولوی عبدالقدیر پیدا ہوئے بشارت کا ظہور ہوا''۔آپ کا پورا تاریخی نام 'عاشق الرسول محمد عبدالقدیرؔ' ہے۔نہایت ناز ونعم سے پرورش ہوئی۔حضرت تاج الفحول کو کچھ اس قدر خداداد محبت تھی کہ نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔جس وقت حضرت تاج الفحول کا وصال ہوا تو آپ کی عمر شریف آٹھ برس کی تھی۔سوئم کے دن جب کہ مدرسہ قادریہ میں ہزارہا اشخاص کا ہجوم تھا ہر آنکھ تاج الفحول کی جدائی میں نم اور ہر دل بے قرار تھا آپ آیت شریفہ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ پڑھ کر لوگوں کو تسلی دیتے تھے۔والد محترم کے وصال کے بعد برادر محترم حضرت سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے سایۂ عاطفت میں تعلیم وتربیت حاصل کی۔تیرہ سال کی عمر میں درسیات سے فراغت حاصل ہوئی،اس کے بعد معقولات کی بعض کتب رام پور میں حضرت مولانا سید عبدالعزیز صاحب انبیٹھوی شاگردِ رشید حضرت مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی سے پڑھیں۔

لطیفہ: حافظ لطافت علی صاحب جو حضرت قبلہ سے پڑھتے تھے اور اس سفر میں ساتھ تھے فرماتے تھے کہ بریلی اسٹیشن پر فاضل بریلوی مع کھانے کے موجود تھے۔دست بوسی کی،نذر پیش کی،دورانِ گفتگو پوچھا کہ رامپور میں کیا پڑھنے کا ارادہ ہے؟ حضرت نے فرمایا ''معقولات کی بعض کتب پڑھنا ہیں''۔

فاضل موصوف نے کہا کہ ''معقولات کوتو مَیں طلاق مغلّظہ دے چکا ہوں''اس پر برجستہ حضرت نے فرمایا کہ ''مَیں اس سے حلالہ کرنے جارہاہوں''۔

رام پور کے بعد ٹونک میں بھی کچھ دن حضرت مولانا حکیم برکات احمد کی خدمت میں رہے۔ حضرت حکیم صاحب بھی فاضل خیرآبادی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ان دونوں مقامات پر وہ طلبہ جو بدایوں میں حضرت سے پڑھتے تھے،ساتھ گئے۔واپسی پر مستقل مدرسہ قادریہ میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمایا۔شرفِ بیعت سرکار رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھا۔

۱۷رجمادی الاول ۱۳۳۳ھ میں حضرت تاج الفحول کے عرس کے موقع پر سرکار صاحب الاقتدار رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اجازت وخلافت زبانی اور تحریری عطا فرمائی جس کو حاجی سید اسماعیل حسن مارہروی نے پڑھ کر مجمع کو سنایا۔

حلقۂ درس: حضرت اقدس کا طرزِ تعلیم نہایت آسان اور عام فہم تھا۔ بڑے بڑے دقیق مسائل ذرا سی دیر میں ذہن ودماغ میں اتار دیتے تھے۔اس غلام کو بھی بارہا حضرت اقدس سے رجوع کرنے کے مواقع حاصل رہے ہیں اور سفر وحضر میں آپ کے ساتھ رہا ہے۔کسی نہ کسی حد تک مزاج آشنا بھی ہے۔اکثر وبیشتر خاموشی یا اوراد ووظائف لیکن جب لب کشائی فرماتے تو سننے والوں کو کمال لطف محسوس ہوتا تھا۔ایک مرتبہ عالی جناب اکرام الدین حیدر صاحب کسی الیکشن میں کامیاب ہوکر شرف ملاقات کے لیے مدرسہ قادریہ کے شمالی دروازے سے تشریف لا رہے تھے کہ آمنا سامنا ہو گیا۔جناب حیدر صاحب شیخو پوری نے دریافت کیا ''حضرت فرمایئے کیسا مزاج ہے؟'' آپ نے فوراً ارشاد فرمایا۔

جیتے ہیں کمال کر رہے ہیں

ایک مرتبہ حضرت کے ایک چہیتے مرید جناب سلیم اللہ عباسی حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر تھے اور بھی چند حضرات املی کے نیچے چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے،مگر سلیم اللہ عباسی حضرت قبلہ کے سامنے باادب ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ ماشاءاللہ ان کی داڑھی کافی دراز تھی اور بلا مبالغہ ناف تک پہنچتی ہوگی۔اسی دوران کوئی اجنبی شخص مدرسے میں آیا اور سیدھا حضرت قبلہ کی چارپائی کے

پاس آ کھڑا ہوا، پوچھنے لگا ’’میاں جی بڑے مولانا صاحب کون سے ہیں؟‘‘ حضرت نے ارشاد فرمایا ’’بھئی داڑھی کے حساب سے تو بڑے یہ (سلیم اللہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ہیں، ویسے تم جسے سمجھو‘‘۔ سبھی سامعین زیرِ لب مسکرانے لگے اور بعض صاحبان کے تو قہقہے نکل گئے۔

ایک مرتبہ مدرسہ دارالعلوم کی مسجد میں مغرب کی نماز میں اِس غلام کے جوتے چوری چلے گئے، بات حضرت قبلہ تک پہنچی۔ جب مَیں ننگے پیر سامنے حاضر ہوا فرمایا ’’مولوی تمہارے جوتے چوری چلے گئے، صبر کرو، اللہ تعالیٰ جنت میں نعم البدل دے گا۔‘‘

ایک صاحب بقصد حج عازم سفر ہوئے لیکن کسی مجبوری کے باعث بمبئی سے واپس لوٹ آئے ان کا ذکر مدرسے میں ہو رہا تھا، ایک دوسرے صاحب یہ سن کر فرمانے لگے ’’ایک چوتھائی حج کا ثواب تو مل ہی جائے گا‘‘۔ یہ خادم بھی وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ مَیں نے عرض کیا تب تو اگر کوئی شخص بمبئی کے چار چکر لگا لے تو پورے حج کا ثواب پا لے گا۔ حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا ’’مولوی ¼ کو ¼ سے ضرب دی جائے گی تو حاصل ضرب اور کم ہو جائے گا کیوں کہ کسر کو کسر سے ضرب دینے میں حاصل ضرب کم ہو جاتا ہے‘‘۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت قبلہ کو ریاضی میں کتنا کمال حاصل تھا۔

ایک بار مجھ سے فرمایا ’’مولوی تمہارے یہاں نصاب میں فیثا غورث کا مسئلہ اثباتی ہے کہ مثلث قائم الزاویہ میں دو ضلعوں کا مربع، وتر کے مربع کے برابر ہوتا ہے؟‘‘ مَیں نے عرض کیا ’’جی ہاں، آپ فرمائیں تو مَیں ثابت کر کے بتا دوں۔‘‘ فرمایا ’’فیثا غورث نے اسے غلط ثابت کیا ہے مولوی مَیں تمہیں پھر کسی وقت بتاؤں گا‘‘۔ مگر آئندہ پھر کوئی موقع ایسا نہ ملا کہ حضرت قبلہ سے یہ عقدہ حل کرایا جاتا۔ حضرت قبلہ کی خدمت اقدس میں حاضری دینے والے ان کے مزاج شناس تھے۔ اس قسم کے علمی چٹکلے ایسے وقت میں پیش کیے جاتے تھے جب حضرت قبلہ کے چہرے پر فرحت و انبساط کے خطوط نظر آتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ’’میرے رب نے مجھ میں صبر و ضبط کا مادہ بہت زیادہ ودیعت فرمایا ہے لیکن جب کوئی میرے غوث کی شان میں نازیبا کلمات کہہ دے تو مَیں بے قابو ہو جاتا ہوں اور اس وقت مَیں کوئی بھی جارحانہ قدم اٹھا سکتا ہوں‘‘۔

ایک بار جناب مولوی فخر عالم صاحب ایڈوکیٹ کے یہاں مجلس تھی۔ کوٹھی کا بیرونی حصہ

سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔مَیں خود اس مجلس میں ذاکر کی حیثیت سے مدعو تھا۔ بعد کو مَیں نے دیکھا کہ حضرت قبلہ بھی تشریف لے آئے، مجلس کے آداب کے مطابق تقریر سے پہلے کوئی مرثیہ پڑھا جانا ضروری تھا، چناں چہ دو یا تین صاحبان سوز خوانی کے لیے بلائے گئے۔ دوران سوز خوانی انہوں نے قصداً عَمَر کے بجائے ایک شعر میں عُمَر پڑھا۔ یہ سننا تھا کہ حضرت کا چہرۂ انور غصّے سے سرخ ہو گیا فرمایا'' کیا بکتا ہے خبیث عَـمَر پڑھ۔'' ساری محفل درہم برہم ہوگئی، سوز خواں حضرات بغل میں بستہ دبا کر بھاگے اور محفل میں بری طرح انتشار پھیل گیا۔ جس کے بعد حضرت قبلہ نے کھڑے ہو کر فضائل رسول، فضائل صحابہ اور فضائل اہل بیت پر مدلل تقریر تین گھنٹے کی۔ صرف مَیں ہی نہیں اس امر کے شاہد تو اب بھی بدایوں میں کثرت سے لوگ موجود ہوں گے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت قبلہ سب کچھ گوارا فرما سکتے تھے لیکن مداہنت فی الدین ہرگز گوارا نہ تھی۔

اراکین دولت عثمانیہ نے جب آپ کے علمی کمالات کی شہرت سنی اور آپ میں اسلاف کے شاندار کارنامے دیکھے تو آپ کو بہ صد ادب واحترام مفتیٔ اعظم دکن کے عہدۂ جلیلہ پر مقرر فرما دیا۔ جب تک حضرت قبلہ اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی فرماتے رہے۔ قیام حیدرآباد کے دوران آپ سال میں ایک بار بہ موقعہ عرس سرکار صاحب الاقتدار رحمۃ اللہ علیہ (منعقدہ ماہِ محرم) ضرور تشریف لاتے تھے اور عرس کے آخری دن تبرکات شریف کی زیارت کے بعد وہیں سے واپسی ہو جاتی تھی۔ بس آکر علی شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قریب کھڑی ہو جاتی تھی اور یہیں مریدین ومعتقدین دیدارِ فیض بار سے مشرف ہو جایا کرتے تھے۔

لباس ووضع: بارعب وپُر جلال چہرہ لوگوں کی روایت کے مطابق حضرت تاج الفحول کی جیتی جاگتی تصویر، گول کتابی چہرہ، چمکیلی اور نور معرفت سے پُر ضیا آنکھیں، چوڑی اور اُبھری ہوئی پیشانی، بارعب چہرے سے شاہی جلال ٹپکا پڑتا تھا، ہلکے تبسم سے شاہی جلال میں کچھ کمی ہو جاتی تھی اور ایسے وقت میں لوگ چہرۂ انور کو نظر بھر دیکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ کھدر کا سفید کرتا پاجامہ اور سفید کھدر ہی کا صافہ اور چوغہ اسی سفید کھدر ہی کی صدری۔ دورانِ سفر امامت یا تقریر کے وقت صافہ ورنہ سفید کھدر کی ٹوپی۔ غالبًا یہ کھدر حسب منشا تیار کرایا جاتا تھا۔ کسیر کلاں ضلع بلند شہر کے عقیدت مند حضرات یہ کھدر

تیار کرا کر بہ طور نذر پیش کرتے تھے۔ ہلکی چمڑے کی جوتیاں نہایت صاف بنی ہوئی، بدایوں میں خواجہ نظام الدین صاحب مخصوص کاریگر سے بنوا کر پیش کر دیتے تھے۔ کبھی کبھی مَیں نے حضرت قبلہ کی زبان مبارک سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''ہماری بدایوں کی جائیداد کی آمدنی میں سے سال بھر بعد ایک جوڑی جوتیاں تو ہمیں مل ہی جاتی ہیٖ''۔ اوجھیانی میں مقبرے کے اردگرد کی آراضی سب حضرت قبلہ کی ملکیت تھی اور مَیں (احمد حسین قادری) نے حبیب میاں کے ساتھ جا کر وہاں سے لگان وصول کیا ہے۔ اب اس تمام آراضی پر کنجڑ لوگ قابض ہیں۔ کھیڑے نوادے کے راستے میں ایک بہت بڑا باغ تھا جہاں مدرسہ قادریہ کے طلبا گاہے گاہے ہوا خوری کے لیے جایا کرتے تھے۔ مفتیٔ اعظم دکن کے عہدۂ جلیلہ سے سبک دوش ہونے کے بعد حضرت اقدس مستقل طور پر بدایوں میں قیام پذیر ہو گئے اور دارالعلوم کے نظم و نسق کی جانب پوری توجہ دی۔ مطبخ کا انتظام تو پہلے ہی سے تھا اور پچیس تیس طلبا ہمیشہ دارالعلوم کے مطبخ کے سے کھانا کھاتے تھے۔ بقیہ طلبا شہر کی مختلف مساجد میں امامت پر مامور کر دیے جاتے تھے۔ مدرسے سے حضرت کو ایسا والہانہ عشق تھا کہ ممکن طور سے اُسے ترقی پر دیکھنا چاہتے تھے اور بہ جز کسی خاص مجبوری کے مدرسے کے روزانہ کے معائنے میں کبھی فرق نہ پڑتا تھا۔ نظم و نسق کے لیے مدرسے کی ایک انتظامیہ تھی جس سے وقتاً فوقتاً تعلیمی مشورے لیے جاتے رہتے تھے۔ مدرسین کی تنخواہیں اپنی جیب خاص سے مرحمت فرماتے تھے اور یہ بھی ارشاد فرماتے رہتے تھے کہ ''جس دن میرے مدرسے کے مدرسین کو پہلی تاریخ کو تنخواہ نہیں ملے گی اسی دن مَیں مدرسہ بند کر دوں گا''۔

اللہ رب العزت نے نہایت پاکیزہ شعور و ادراک عطا فرمایا تھا۔ مردم شناسی میں کمال حاصل تھا۔ سیاسی شعور بھی قدرتی عطیہ تھا اور آنے والے نتائج کی نشان دہی پہلے ہی سے فرما دیا کرتے تھے۔ ملکی تقسیم کے بعد ایک دور ایسا بھی آیا کہ پورا ملک فرقہ وارانہ فساد کے شعلوں میں جلنے لگا۔ ایسے مواقع پر حضرت قبلہ کے دل پر کیا گزرتی تھی، اس کا اندازہ آپ کے چہرے سے بخوبی لگ جاتا تھا۔ آپ کی دلی خواہش تھی کہ ملک میں ہندو مسلم اتحاد مجروح نہ ہو اور ملک کی پُرامن فضا فتنہ و فساد کے تیز و تند جھونکوں سے محفوظ رہے۔ ہر مذہب اور ہر ملت کے لوگ بڑے حسن عقیدت کے ساتھ آپ کی

خدمت میں حاضر ہوتے تھےاور آپ سبھی کے لیے دُعائے خیر فرماتے تھےالحب للہ و البغض للہ کے نورانی پیکر تھے۔مَیں نے سائل کوکبھی ناکام واپس جاتےنہیں دیکھا۔

مشائخانہ زندگی: دوبارحرمین شریفین کی حاضری کا شرف حاصل ہوا۔صحن کعبہ میں مصلائے حنفی پر آپ نے امامت فرمائی۔شریف مکہ کی جانب سے دوران قیام مکہ ہرقسم کی سہولت وآرام کالحاظ رکھا جاتا تھا۔مدینہ منورہ میں حرم شریف گیارہ بجےمتقفل کردیا جاتا ہےاورعلی الصبح چار بجےتمام دروازے بہ یک وقت کھول دیے جاتے ہیں،لیکن شب میں مسجد نبوی میں کسی کوٹھہرنے کی اجازت نہیں،مگر حضرتِ قبلہ کوامتیازی شان کے ساتھ مسجد نبوی میں گنبدِ خضریٰ کی جالی کے اندررات گزارنے کی اجازت مرحمت فرمائی گئی اورقدمِ پاک محمد رسول اللہ ﷺ میں آپ کی رات گزری۔

اماکن مقدسہ کی زیارت کا شرف بھی سال بہ سال حاصل ہوتا رہتا تھا۔سیدنا حضورغوث پاک رضی اللہ عنہ کی درگاہ کے بہت سے اہم امور آپ سے ہی متعلق تھے جوخوبی اورتندہی کے ساتھ انجام دیے جاتے تھے۔شہزادگانِ دربارِ عالی کی نظر میں آپ کا جواحترام تھا،اس کو بیان کرنے کی نہ تو میرے قلم میں طاقت ہے نہ میرے بس کی بات ہے۔۱۹۵٦ء میں آپ کی علالت کے موقع پر حضور غوث پاک کے اشارۂ باطنی کے تحت نقیب زادہ طاہرعلاءالدین گیلانی بغداد سے آپ کی مزاج پرسی کو آئے۔سرکارِ بغداد سے قادری دولہا کو کیا ملا خدا ہی بہتر جانے۔البتہ بارگاہ عالیہ سے جوغلاف بھیجا گیا ہےاُس کی زیارت کا شرف توہرسال ہزاروں زائرین کوہوتا ہے۔

بعض واقعات: پہلی جنگِ عظیم کے بعد جب عراق پرانگریزوں کا تسلط ہوگیا تھا۔اعلیٰ حضرت نظام حیدرآباد نے جوآبائی مسلک اہل سنت سے ہٹ کرقدرے شیعیت کی طرف مائل ہوگئے،حضرت قبلہ سے کہا کہ ''عراق پرانگریزوں کا قبضہ ہوگیااس کوحضورغوثِ پاک نے کیسے گوارا کرلیا؟'' حضرت قبلہ نے فوراً جواب دیا کہ '' حضرت علی اورامام حسین نے بھی گوارا کرلیا''۔(بغداد شریف کی طرح کربلااور نجف بھی عراق میں ہی ہیں)

۱۹۴۷ء میں اعلیٰ حضرت نظام کی کار پر دستی بم پھینکا گیا جس میں نظام بال بال بچ گئے۔ملزم فوراً گرفتار کرلیا گیا،عدالت نے اسے سزائے موت سنائی۔یہ حکم جب حضرت قبلہ کے سامنے بہ

حیثیت مفتیٔ اعظم پیش ہوا تو آپ نے سزائے موت ختم کر دی۔

پہلی مرتبہ جب آپ حج کو تشریف لے گئے تو شریف حسین کی حکومت تھی جو آپ کا بے حد معتقد تھا، اسی کے حسب خواہش آپ نے حرمین شریفین میں جمعہ کی نماز پڑھائی نیز اسی نے آپ کو شب کو روضۂ مقدسہ میں رہنے کی خصوصی اجازت دی۔ حج ختم ہوتے ہی سلطان عبدالعزیز نے جو ابن سعود کے نام سے مشہور ہے حجاز پر حملہ کر دیا۔ حضرت قبلہ اس لڑائی میں شریک تھے اور نہ صرف اپنی تقاریر سے مجاہدین کے حوصلے بڑھا رہے تھے بلکہ خود بھی عملاً جنگ میں حصہ لیا۔ آپ کی سیدھی ٹانگ میں گولی کا جو نشان تھا وہ اسی موقع کی یادگار تھا جب مکہ معظّمہ پر نجدیوں کا غاصبانہ قبضہ ہو گیا تو آپ اور شریف حسین جدہ آ گئے، یہاں سے شریف حسین بحری جہاز سے عقبہ کے لیے روانہ ہوئے اور حضرت قبلہ دوسرے جہاز سے پورٹ سوڈان، پورٹ سوڈان سے جہاز تبدیل کر کے عدن اور وہاں سے تیسرے جہاز کے ذریعے بمبئی پہنچے۔ اتفاق دیکھیے کہ ابن سعود کے زمانے میں حضرت قبلہ کی پھر حاضری ہوئی۔ اس مرتبہ آپ حیدرآباد کے سرکاری قافلے میں تھے جس میں اعلیٰ حضرت نظام کی بیوی جو 'مادرِ دکن' کہلاتی تھیں بھی شامل تھیں۔ ۸ رذی الحجہ کو منیٰ میں ابن سعود کی طرف سے دنیا کے سربراہان حکومت اور ممتاز علما و مشائخ کی دعوت ہوئی۔ سب نے تقریریں کیں حضرت قبلہ نے تقریر کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر ابن سعود نے بہ آواز بلند مخاطب کر کے دریافت کیا کہ ''مولانا آپ نے اس مرتبہ حجاز میں امن وامان کیسا پایا؟'' آپ نے کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا ''بالکل ویسا ہی پایا جیسا حجاج بن یوسف کے زمانے میں تھا''۔ ابن سعود اس جواب سے جز بز تو بہت ہوا مگر کچھ کر نہ سکا، اس لیے کہ آپ حیدرآباد کے شاہی وفد کے رکن تھے مگر بعد میں اس نے تمام سعودی سفارت خانوں کو احکامات جاری کر دیے کہ عبدالقدیر بدایونی کو آئندہ کبھی حجاز کا ویزا نہ دیا جائے۔

بغداد شریف حاضری کے آپ پابند تھے، جس زمانے میں عراق پر انگریزوں کا تسلط تھا اور ہندوستان پر تو تھا ہی، اس وقت حکومت نے پوری کوشش کی کہ آپ بغداد شریف نہ جا سکیں، لیکن سرکار بغداد کا خصوصی کرم تھا کہ آپ اِن تمام رکاوٹوں کے باوجود بارگاہِ غوثیت میں حاضر ہوئے۔ ان رکاوٹوں اور پابندیوں کے دوران آپ نے حضور غوث پاک کی بارگاہ میں منظوم عرض داشت پیش کی

جو 'مثنوی غوثیہ' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ التجا نامہ سرکار بغداد نے قبول فرمایا جو اِس سے ظاہر ہے کہ تمام تر رُکاوٹوں کے باوجود سرکارِ بغداد نے آپ کو طلب فرمایا۔ آج اِس مبارک مثنوی کا ورد غلامانِ قادری کے لیے ضامن کامیابی ہے۔

عراق سے انگریزوں کے جانے کے بعد اسلامی حکومت قائم ہوئی اور شاہ فیصل بادشاہ بنائے گئے ان کے دور میں جب پہلی حاضری ہوئی تو انہوں نے ولی عہد شہزادہ غازی کو استقبال کے لیے بصرہ بھیجا اور درخواست کی کہ آپ شاہی مہمان کی حیثیت سے قصر شاہی میں قیام فرمائیں۔ آپ نے اُن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جواب دیا کہ ''مَیں باز کو چھوڑ کر چڑیا کا مہمان نہیں بن سکتا''۔ جب آپ بیت المقدس تشریف لے گئے تو مفتیٔ اعظم فلسطین سید امین الحسینی علیہ الرحمۃ نے شہر سے ۳ میل باہر آ کر آپ کا استقبال کیا۔ حضرت مفتیٔ اعظم فلسطین ہی کی خواہش پر آپ نے مسجد اقصیٰ میں جمعہ کی نماز پڑھائی۔

ایک مرتبہ بغداد شریف سے بہ ذریعے کار واپس آتے ہوئے تہران میں قیام تھا، رضا شاہ پہلوی کا دورِ حکومت تھا اُسے جب علم ہوا تو ملاقات کی اور دعا کی درخواست کی۔

کرامات وخوارق: اولیائے کرام سے کرامتوں کا ظہور تو ہوتا رہتا ہے اور ہوتا رہے گا مَیں تو کہتا ہوں ولی کا ہر فعل اس کا ہر عمل اس کی نقل وحرکت سبھی کچھ کرامت ہے کیوں کہ مشیت ایزدی کے بغیر تو لب کشائی فرماتے ہی نہیں۔ حضرت قبلہ کو رب تبارک وتعالیٰ نے مستجاب الدعوات ہونے کا شرف عطا فرمایا تھا۔ صبح سے شام تک سیکڑوں زائرین بہ سلسلۂ دعا وتعویذ آستانۂ عالیہ پر حاضر ہوتے رہتے تھے اور لب پاک کی جنبش کے منتظر رہتے تھے اور بہ قول مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ؎

گفتہ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

جناب حافظ عطاء الرحمٰن صاحب نے جو آستانۂ عالیہ کے سچے عقیدت مندوں میں سے تھے جب تک بدایوں میں رہتے تھے پیر میں جوتے نہیں پہنتے تھے، مدرسہ قادریہ کی چہار دیواری کے اندر مَیں نے انہیں کبھی جوتا پہنے ہوئے نہیں دیکھا۔ کچھ عرصہ مدرسہ عالیہ کے طالب علم بھی رہے تھے۔ ایک مرتبہ عرض کیا ''حضرت بچی جوان ہے، کہیں سے رشتہ نہیں آتا دعا فرمائیے''۔ مَیں نے دیکھا کہ

لب پاک کوجنبش ہوئی فرمایا''اللہ بہتر کرے گا''۔اسی سال حافظ صاحب کی بچی کا رشتہ اسلام نگر سے طے ہوگیا اور بڑی شان کے ساتھ شادی ہوئی۔اس شادی میں حضرت قبلہ نے شرکت فرمائی اور کفش برداری کے لیے یہ خادم بھی ساتھ تھا۔ایک مرتبہ جب کہ حضرت اقدس بدایوں سے آنولہ ہوتے ہوئے کسیر کلاں تشریف لیے جارہے تھے، یہ خادم بھی کفش برداری کے لیے ساتھ تھا۔چندوسی اسٹیشن پر پہنچ کر علی گڑھ جانے والی ٹرین میں بیٹھ گئے۔اچانک خیال آیا ٹکٹ تو لیے ہی نہیں ہیں۔جاڑے کا موسم تھا مَیں اپنی رضائی اوڑھے ہوئے بیٹھا تھا،فرمایا''مولوی تمہیں سردی بہت لگ رہی ہے، گاڑی چھوٹنے والی ہے'' یہ فرماتے ہوئے میرے اٹھنے سے پہلے خود ہی ٹکٹ لینے کے لیے روانہ ہو گئے۔اِدھر گاڑی نے سیٹی دی، غرض یہ کہ سیٹیاں بجتی رہیں، جھنڈیاں دکھائی جاتی رہیں، مَیں اکیلا سخت پریشان مگر جب تک حضرت قبلہ ٹکٹ لے کر واپس تشریف نہ لائے، گاڑی ٹس سے مس نہیں ہوئی۔اسی قبیل کی بہت سی باتیں ہیں جنہیں طوالت کے خیال سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

وصال مبارک: ساٹھ سالہ دینی خدمات کے بعد یہ آفتاب ولایت غروب ہوگیا اور نہ صرف بدایوں بلکہ پورے ملک میں چند لمحات کے لیے اندھیرا چھا گیا۔بے شمار فتاوے آپ کی دینی خدمات کی یادگار ہیں۔علاوہ ازیں سیاسی موضوعات پر آپ کے صدارتی خطبات خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ۱۳۷۹ھ کے رمضان المبارک میں آپ کی طبیعت ٹھیک ہی تھی، روزے رکھ رہے تھے کہ ایک افسوس ناک سانحہ ہوا، بغداد شریف سے تار آیا کہ پیر شمس الدین صاحب کا وصال ہوگیا۔اس خبر سے حضرت قبلہ پر خاص اثر ہوا، فوراً بغداد شریف حاضری کا قصد کیا اور عید کے بعد روانگی کا ارادہ تھا۔۲۴؍رمضان المبارک کو حسب معمول حضرت سلطان العارفین صاحب قدس سرہٗ کے عرس میں حاضر ہوئے۔اسی تاریخ میں صاحبزادہ حضرت سالم میاں کو ۱۰۵؍بخار تھا اور بے ہوشی طاری تھی۔بڑی سرکار سے واپس آ کر صاحبزادے کو دیکھا کچھ دیر اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے رہے، دعا دم فرمائی، اسی وقت سے صاحبزادے صاحب کا بخار اُترنا شروع ہوا اور حضرت قبلہ کو بخار آنا شروع ہوا۔حتیٰ کہ ۲۶ اور ۲۷؍رمضان المبارک کو وہی حالت حضرت قبلہ کی ہوگئی کہ بے حد بخار اور بے ہوشی۔مگر خاص بات یہ تھی کہ نماز کے وقت ہوش آجاتا تھا اور نماز ادا فرماتے تھے۔۲۸ اور ۲۹ کو بخار کم ہوگیا مگر ۲۹ کو بعد

مغرب پھر غفلت سی ہوگئی۔اس حالت میں بھی آپ کا قلب ذا کر تھا اور نمازیں ادا فرما رہے تھے۔ حضرت صاحبزادہ سالم میاں دوا وغیرہ کے لیے عرض کرتے تو آنکھیں کھول لیتے اور اپنے ہاتھ سے گولی وغیرہ کھا لیتے مگر بات کرنا بالکل بند تھا۔۲رشوال کو حضرت بھائی جان محمد میاں حیدرآباد سے آکر قدم بوس ہوئے تو بہت دیر تک ان کو دیکھتے رہے۔ بالآخر وقت موعود آپہنچا،۳رشوال کو ظہر کی نماز ادا فرما کر سینے پر ہاتھ باندھے باندھے بآواز بلند''یا معبود'' فرما کر وصال فرمایا، پورا مکان عجب نور اور خوشبو سے بھر گیا۔ چہرۂ مبارک ایسا نورانی اور متبسم تھا کہ الفاظ بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

اس خبر سے سارے شہر میں کہرام مچ گیا۔ ہزار ہا بندگانِ خدا خبر ملتے ہی مدرسہ قادریہ میں آگئے۔۴رشوال کو بعد جمعہ تجہیز وتکفین کے بعد حسبِ معمول عیدگاہ شمسی میں نماز جنازہ صاحبزادے حضرت شیخ سالم میاں نے پڑھائی اور عصر ومغرب کے درمیان حضور کی میت شریفہ ان کی آخری آرام گاہ پر درگاہِ قادریہ پہنچادی گئی اور سرکار صاحب الاقتدار کے پہلو میں تدفین ہوئی۔

حضرت قبلہ کے وصال کے بعد ہندوستان و پاکستان سے ہزار ہا تعزیتی خطوط اور پیغامات موصول ہوئے جس میں سے کچھ کو'تذکارِ محبوب' میں شائع کرادیا گیا ہے۔

بعد وصال چہرۂ انور سے وہ نورانی شعاعیں نکلتی ہوئی دیکھی جارہی تھیں جو حیات طیبہ میں بھی نہیں دیکھی گئیں۔ متبسم چہرہ اعلیٰ درجات کی نشاندہی کررہا تھا۔ اللہ رب العزت آپ کی قبر اطہر کو جنت کے پھولوں سے معطر فرمائے۔آمین ثم آمین۔

اولاد: آپ کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں جن میں سے بڑی صاحبزادی کا آپ کے سامنے انتقال ہوگیا۔ بڑے صاحبزادے حضرت محمد عبدالہادی محمد میاں ہیں جو قادری برادری میں 'بھائی جان' کے نام سے مشہور ہیں۔علم وفضل میں اپنے اکابر کے سچے وارث ہیں۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں عربی ادب کی تعلیم دینے کے بعد اب ریٹائر ہوگئے۔حیدرآباد میں ہی قیام ہے۔آپ کے عربی، فارسی اور اُردو کے دیوان غیر مطبوعہ موجود ہیں۔اس کے علاوہ مسئلہ اَذانِ ثانی پر ایک مدلل رسالہ تحریر فرمایا ہے۔سرکار رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت اور حضرت قبلہ سے خلافت عامہ حاصل ہے۔

منجھلے صاحبزادے الحاج عبدالمجید اقبال میاں نے عربی کی تکمیل کے بعد ایم.اے کیا۔ کراچی میں قیام رہتا ہے۔ انتظامی صلاحیت بہ درجہ اتم ہے۔ حضرت محمد علی فضل اللہ گیلانی حموی سے شرف بیعت اور نقیب الاشرف پیر ابراہیم سیف الدین گیلانی سے شرف خلافت حاصل ہے۔

حضرت صاحبزادہ عبدالحمید سالم میاں حضرت قبلہ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ ۸ر سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا، تعلیم حضرت صاحب قبلہ سے حاصل کی، شرف بیعت حضرت قبلہ سے حاصل ہے۔ وصال سے ایک سال قبل عرس قادری کے موقع پر آپ کو حضرت قبلہ نے خلافت عطا فرمائی اور اپنے بعد سجادگی کے لیے منتخب فرما کر محفل میں خود اعلان فرمایا۔

حضرت قبلہ کے وصال کے بعد سوئم کے دن حضرت بھائی جان نے اپنے ہاتھ سے دستار بندی کر کے سجادہ پر بٹھایا اور سب سے پہلے خود نذر پیش کی۔ آپ بزرگوں کی روش پر قائم ہیں۔ آپ کی ذات سے آستانہ قادریہ آباد اور مخلوق خدا فیض یاب ہے۔ ۷ر مرتبہ حرمین شریفین اور ۱۹ر مرتبہ بغداد شریف حاضر ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے اکثر و بیشتر اولیائے کرام کے مزارات مقدسہ پر بارہا حاضریاں ہوئیں ہیں۔ عرس قادری بدایوں کے علاوہ دولت آباد میں امام سلسلہ حضرت مولانا بہاء الدین انصاری قدس سرہٗ کا عرس مبارک آپ نہایت شاندار طریقے پر منعقد کرتے ہیں۔ رب مقتدر آپ کے سایۂ عاطفت کو غلامانِ سلسلہ کے سروں پر قائم رکھے آمین۔

خلفائے مجاز: حضرت قبلہ نے صاحبزادگان گرامی کے علاوہ کئی حضرات کو خلافت سے نوازا۔ کچھ کے نام یہ ہیں (۱) مولانا احمد خیر الدین (۲) صوفی شفیق احمد الموڑہ (۳) مفتی عزیز احمد لاہور (۴) صوفی عبدالحمید دہلی (۵) صوفی علی احمد شکوہ آبادی وغیرہ۔

☆☆☆

اکابر خانوادۂ قادریہ بدایوں شریف کی

دینی وعلمی خدمات اور روحانی مراتب وکمالات جاننے کے لیے

مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ کیجیے

تذکرہ فضل رسول (طوالع الانوار)	مولانا انوار الحق عثمانی بدایونی
تذکار محبوب	مولانا عبد الرحیم قادری بدایونی
احوال ومقامات	مولانا ہادی القادری بدایونی
تذکرۂ ماجد	مولانا اسید الحق قادری
تاج الفحول حیات وخدمات	مفتی عبد الحکیم نوری مصباحی
مولانا فیض احمد بدایونی	پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری
سیف اللہ المسلول کا علمی مقام	مولانا عبد العلیم قادری مجیدی
تذکرۂ خانوادۂ قادریہ	مولانا عبد العلیم قادری مجیدی

بسلسلہ تحریک اسلاف شناسی

عنقریب منظر عام پر آنے والی کتابیں

تحفۂ فیض	**مدائح حضور نور** (تذکرۂ نوری)
تاج الفحول محبّ رسول مولانا عبد القادر بدایونی	مولانا غلام شبر قادری بدایونی
اکمل التاریخ (سوانح فضل رسول)	**برکات مارہرہ**
مولانا ضیاء القادری بدایونی	مولوی طفیل احمد متولی بدایونی

ناشر: تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں شریف

Madrsa Alia Qadria, Maulvi Mohalla, Budaun-243601 (U.P.) India

Mob.: +91-9897503199, +91-9358563720